مسئولیت کے تقاضے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

مسئولیت کے تقاضے

	عناوین	صفحہ نمبر
✍	عرضِ ناشر	5
✍	مسئولیت کیا ہے؟	9
✍	مسئولیت کا لالچ	11
✍	بہترین مسئول کون؟	13
✍	علم کا حصول	16
✍	قول وفعل	17
✍	کتاب وسنت کے ساتھ تمسک	19
✍	بداعمالیوں اور ظلم سے پرہیز	21
✍	ساتھیوں سے تعلقات کیسے ہوں	22
✍	عفوودرگزر	25

✍	مامورین سے نرمی	28
✍	بھائیوں کی مشکلات پر پریشان ہونا	29
✍	ساتھیوں کی خبر گیری	30
✍	عام کارکنان سے محبت	32
✍	مشورے کی عادت ڈالی جائے	35
✍	بھائیوں کے لیے مغفرت کی دعا	37
✍	تنظیم سازی اور دعوت واصلاح	38
✍	افراد کو لڑی میں کیسے پرویا جائے؟	48
✍	سنا ہے تیرے ساتھیوں نے تیری قدر نہیں کی	59
✍	کیا ہم واقعی ایسے ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے	68

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمدللہ وحدہ وبعد: رب العالمین نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی ہے اس میں کوئی شک نہیں...... مگر ہر دور میں بعض ایسی عورتیں بھی انسانی معاشرے میں پاکباز زندگی گزار کے اپنے رب کے ہاں پہنچی ہیں جو بے شمار مردوں پر برتری حاصل کر گئیں۔ پھر یہ کہ عورت ہی بنی نوع انسان کا وہ پہلا مدرسہ ہے جہاں اسے اچھی تربیت مل جائے تو بڑا ہو کر رفعت وعظمت کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے اور اگر ماں اپنے بچے کی صحیح طرح سے تربیت نہ کر سکے تو انسان اپنے برے اخلاق اور گندے اطوار کی وجہ سے حیوانات کے برابر آ جاتا ہے۔ والعیاذ باللّٰہِ۔

جماعۃ الدعوۃ پاکستان نے (گذشتہ پندرہ سالوں کے دوران) جب سے اپنے وطن عزیز میں بالخصوص اور باقی دنیا میں بالعموم، علی منہاج النبوۃ سلفی دعوت کا میدان سنبھالا ہے، ہزارہا مرد کارکنان کے ساتھ ساتھ اسی تناسب میں نیک بیبیوں نے بھی اللہ کی توفیق سے معاشرے کی اصلاح میں اپنی خداداد صلاحیت کو اپنے رب کی راہ میں کھپایا ہے کہ جس سے سینکڑوں نہیں ہزارہا گھروں کی عقیدے

اور عمل میں اصلاح ہوئی۔ والحمدللہ علی ذلك

اگر یہ کہا جائے کہ صنف نازک کے اس پاکباز قافلے کی قیادت کرنے والی ایک ایسی خاتون ہیں کہ جن کی عملی زندگی سے بی بی خنساء جیسی صحابیات یاد آجاتی ہیں (رضی اللہ عنھن) تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

اللہ ذوالجلال محترمہ باجی ام حماد صاحبہ کی پرخلوص جدوجہد اور قربانیوں کو قبول فرمائے کہ جنہوں نے نسوانی داعیات الخیر کی قیادت فرمائی اور اپنی زندگی اللہ کی راہ میں مریم بنت عمران علیہا التحیۃ والسلام کی طرح وقف کر رکھی ہے۔

''مسئولیت کے تقاضے'' اصلاح و تربیت کے موضوع پر ان کی ایک ایسی تحریر ہے کہ جس سے مرد حضرات بھی پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اگرچہ مخاطب میں ضمیریں مذکر ہیں مگر نصیحت ان کی عورتوں کے لیے ہے۔ اس کتابچے میں وہ ساری صفات بیان کر دی گئی ہیں جو ایک مومن، مسلمان داعی میں ہونی چاہئیں۔

فجزاها اللہ عنا وعن جمیع المسلمین أحسن الجزاء

مدیر دارالاندلس

3-1-2002

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئولیت کیا ہے؟

مسئولیت کوئی عہدہ، کرسی یا مفادات کا منصب نہیں ہے۔ جیسا کہ دُنیا دار عام تنظیموں، پارٹیوں، گروپوں، گروہوں کے صدر، ناظم، چیئرمین یا سربراہ ہوا کرتے ہیں۔

عرفِ عام میں دُنیا کے مختلف کاموں کو سرانجام دینے کے لیے جو ذمہ داریاں تفویض کی جاتی ہیں انہیں مسئولیت کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسے کام جن کے بارے سوال کیا جائے گا۔ اور دُنیا و آخرت دونوں میں اس کے بارے میں احتساب ہو گا۔ اِن مسئولیتوں کو نبھانے والے مسئول کہلاتے ہیں۔ یعنی جن سے دُنیا کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے حوالے سے پوچھ ہوگی۔ انہیں اس کے متعلق جواب دینا ہوگا۔ دُنیا میں وہ اپنے سے بڑے مسئول یا امیر کے روبرو اور آخرت میں اللہ ربّ العزّت کے سامنے جوابدہ ہیں۔ جو مسئول اپنی ذمہ داریاں صحیح معنوں میں نبھائیں گے، دنیا و آخرت میں بہت زیادہ اجر وثواب کے ساتھ سرخرو ہو جائیں گے اور جو اس سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے۔ ان ذمہ داریوں کو عہدے، کرسی، مناصب اور شہرت کا ذریعہ سمجھ لیں گے تو یہی مسئولیت ان کے

گلے کا پھندہ بن جائے گی، وبال بن کر اسے برباد کر دے گی اور نیکیوں کو تباہ کر دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یقیناً تم امارتوں کی حرص کرو گے لیکن وہ تمہارے لئے قیامت کے دن شرمندگی کا باعث ہوں گی''۔ [بخاری]

اسی طرح آپ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے ابوذر! تحقیق تو ضیعف ہے اور یہ امارت (مسئولیت) امانت ہے۔ اور تحقیق یہ مسئولیت قیامت کے دن رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہو گی۔ مگر جس نے اس کو حق کے ساتھ قبول کیا اور اس ذمہ داری کا حق ادا کر دیا۔'' [مسلم]

مسئولیت کے دائرہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''خبردار تم سب رعیت کے نگہبان ہو اور تم سب اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیے جاؤ گئے۔ پس حاکم جو لوگوں پر نگہبان ہے اس سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اور مرد اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں پر نگہبان ہے اور وہ ان کے حق کے متعلق پوچھی جائے گی اور غلام مرد اپنے مالک کے مال پر نگہبان ہے اور وہ اس کے متعلق پوچھا جائے گا............ خبردار ہو جاؤ پس تم سب نگہبان ہو۔ [متفق علیه]

مسئولیت کا لالچ

ہمارے ساتھی دلوں میں اللہ کا خوف لئے تیار نہیں ہوتے۔ چہ جائیکہ وہ اس کی خواہش کریں۔ اس کے لئے تگ و دو کریں۔ تحریکیں چلائیں اپنے حامی پیدا کریں۔ دوسروں کو گرانے یا ان کو خود سے کم ثابت کرنے کی کوشش کریں اور اپنی صفات وخصوصیات لوگوں کے سامنے علی الاعلان بیان کریں بلکہ دعوت و جہاد کا عظیم بوجھ اٹھانے والے جانتے ہیں کہ یہ ذمہ داری اللہ کی طرف سے عائد کی گئی ہے اور وہی اس کا حساب کتاب اچھی طرح لینا جانتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص دس انسانوں پر امیر ہے اُسے قیامت کے دن گلے میں طوق ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ اس کا عدل اسے نجات دلائے گا یا اُس کا ظلم اُسے تباہ کردے گا۔'' [بیهقی]

اسی طرح ایک اور مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''امراء کے لیے تباہی ہے۔ ذمہ دار لوگوں کے لئے تباہی ہے۔ خزانچیوں کے لئے تباہی و بربادی ہے۔ قیامت کے دن وہ اس بات کی آرزو کریں گے کہ ان کی پیشانیوں کے بال ثریا ستارے کے ساتھ لٹکا دیئے جاتے۔ وہ آسمان وزمین کے درمیان حرکت کرتے لیکن انہیں اختیار نہ ملتا۔''

یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں جن لوگوں کے نام ذمہ داریوں کیلئے لیے جاتے۔ وہ خود کو نااہل سمجھتے ہوئے دوسرے کا نام تجویز کرتے۔ اس کے مناقب اور خصوصیات بیان کرتے۔ ان کے دل اس ذمہ داری کے تصور سے ہی کانپ جاتے۔ کہنے کو وہ عظیم سلطنت کے امیر ہوتے۔ علاقوں میں ان کا حکم چلتا تھا۔ لیکن حقیقتاً وہ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے، اس کے حقوق وفرائض کا خیال رکھنے والے، اللہ کے بندوں کی ضروریات، ان کے اعمال، ان کے کردار کا حد درجہ احساس رکھنے والے ہوتے تھے۔ اللہ کے ایک حکم کی نافرمانی بھی ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے آسمانوں اور زمینوں سے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے تھے۔

تحریکِ دعوت و جہاد سے وابستہ افراد خود کو اپنے حلقوں، علاقوں، شہروں، تحصیلوں، ضلعوں، زونوں، صوبوں اور مختلف شعبہ جات کی ذمہ داریوں کے اہل نہیں سمجھتے۔ تاہم جب احساسِ ذمہ داری سے مزین افراد کو طوعاً وکرھاً مسئولیت قبول کرنا پڑ جاتی ہے تو پھر وہ کمر کس لیتے ہیں۔ رات دن کے فرق کو ختم کر کے اس کا حق ادا کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل و دماغ دن رات اسی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اور پھر وہ قربانیوں کی اعلیٰ مثالیں قائم کرتے ہیں۔

ایسے مسئولین سے کبھی بھی اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے

ذاتی کاموں کو دین پر ترجیح دیں گے۔یا وہ کسی قسم کی کوتاہی کے مرتکب ہوں گے۔سوم یہ کہ مسئولین ایسے افراد کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جو اس مسئولیت کے ان سے زیادہ حق دار ہوں۔ جو ان سے زیادہ صلاحیتوں کے مالک، زیادہ محنتی، زیادہ جانی و مالی قربانیاں دینے کے متحمل ہوں۔ وہ ایسے باصلاحیت افراد کو آگے لاتے ہیں۔ بلکہ ان کے لئے جگہ خالی کر کے یا جگہ بنوا کے انہیں کام کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ان کی عزت و تکریم کرتے ہیں۔ہم اس بات کو سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہمارے مسئولین اپنے سے بہتر خصوصیات اور صفات کے مالک افراد سے صرف اس وجہ سے حسد کرنے لگیں یا ان کے بارے میں یہ بغض رکھیں کہ کل یہی شخص اس کی جگہ ذمہ دار نہ بنا دیا جائے یا اسے زیادہ اہمیت نہ دی جانے لگے۔ یہ رذیل اور گھٹیا سوچیں تو جمہوری طریق پر کام کرنے والے عہدے داران یا کارکنان کی ہوا کرتی ہیں۔ جنہیں عہدے کی طلب، شہرت کی ہوس، دولت کا لالچ، ہر پارٹی میں بلا امتیاز حق و باطل شریک ہونے پر مجبور کرتا ہے۔

بہترین مسئول کون؟

رسول اللہ ﷺ نے بہترین مسئولین کی نشانیاں بتاتے ہوئے فرمایا:

’’تمہارے بہترین امراء (امام) وہ لوگ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور تم ان کے لئے دعائیں کرو اور وہ تمہارے لئے

دعائیں کریں اورتمہارے بدترین امراء (امام) وہ ہیں کہ تم ان سے بغض رکھواور وہ تم سے بغض رکھیں اورتم ان پرلعنت بھیجواور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔''
[مسلم]

اپنے ساتھیوں کے دلوں میں اپنی اور جماعت کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اورکس طرح ساتھیوں کے دلوں سے دعائیں نکل سکتی ہیں؟

تو اس کیلئے عرض ہے کہ انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی دلوں کو جوڑتا ہے ۔اُلفت ومحبت پیدا کرتا ہے۔لہٰذا دُنیا بھر کے خزانے خرچ کر کے بھی انسانوں کے دلوں کو کنٹرول نہیں کیا جا سکتا ہے۔ نہ ان میں اپنے لیے جذبات ڈالے جاسکتے ہیں۔ البتہ لالچ دے کر یا مجبوریوں کے ساتھ مصنوعی محبتوں یا تعلقات کی بیل تو چڑھائی جا سکتی ہے لیکن ایسے تعلقات حالات کی معمولی سرسراہٹ بھی برداشت نہیں کر پاتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَا اَلَّفْتَ بَینَ قُلُوْبِهِم وَلَکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ﴾ [الانفال:٦٣]

''(اے نبی ﷺ) اگرآپ ﷺ جوکچھ زمین میں ہے سارے کا سارا بھی خرچ کر ڈالتے تب بھی آپ ان کے دلوں میں الفت نہیں پیدا کر سکتے تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جماعت کو ساتھ جوڑے رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت و الفت کا تعلق مضبوط ہونا ضروری ہے۔اب یہ نسبت جتنی استوار اور پیوستہ ہوگی اتنا ہی لگاؤ جماعت کے ساتھیوں کا اپنے مسئول یا امیر کے ساتھ گہرا ہوگا۔اور اللہ کے ساتھ مضبوط رابطے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اعمالِ صالحہ سرانجام دے۔عقیدہ شرک و بدعات سے پاک ہو اور صرف وہی اعمال نہیں جو اللہ نے فرض قرار دیئے ہیں بلکہ نفلی عبادات اور اعمال کا اہتمام بھی اس رشتے سے نباہ کے لئے ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ﴾ [النور : ٥٥]

’’جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال کئے، اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو ضرور زمین پر حکومت دے گا جیسا کہ اس نے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی۔اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام کو) وہ ان کے لئے جما دے گا اور ان کو (جو دشمنوں سے اس وقت ڈر ہے) اس کے بعد ڈر کو امن سے بدل دے گا۔‘‘

﴿ مَن عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ اَو اُنثىٰ وَ هُوَ مُؤمِنٌ فَلَنُحيِيَنَّهُ حيٰوةً طَيِّبَةً ﴾
[المائده : ٦٩]

''مرد ہو یا عورت جو کوئی ایمان کے ساتھ نیک عمل کریں گے ان کو نہ ڈر ہوگا نہ غم۔''

﴿ وَمَنْ اَحسَنُ قَولًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحاً وَ قَالَ اِنَّنِی مِنَ الْمُسلِمِین ﴾ [حٰمٓ السجدہ : ۳۳]

''اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے میں مسلمانوں میں سے ہوں۔''

علم کا حصول

دعوت و جہاد کے مسئولین کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت کتاب و سنت کے زیادہ سے زیادہ علم کے حصول کے لئے کوشاں رہیں۔علم کی پختگی دین پر استقامت بخشتی ہے۔علم کے نور سے منور، سینے اور دل شیطان کی چالوں کو کاٹ کر رکھ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔علم وحی سے خالی لوگ جذباتی انداز میں جماعت کے ساتھ دوڑتے تو رہتے ہیں لیکن شکوک وشبہات کی آندھیاں ایسے لوگوں کو بہت جلد جلا کر تباہ کر دیتی ہیں۔ ذمہ داریاں سنبھالنے کے باوجود جب حصولِ علم پر توجہ نہیں دی جاتی اور بہت ہی محدود علم کے ساتھ علاقوں کو چلانے کی کوشش کی جاتی ہے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسئول کا علم ''ختم'' ہونے لگتا ہے اور وہ کسی اور علاقے کی طرف کوچ کرنے کے راستے تلاش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علم والے

لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾ [فاطر:۲۸]

”اللہ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں کہ جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔“

﴿ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴾ [یوسف:۷۶]

”ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور (دنیا میں) ہر ایک عالم سے بڑھ کر دوسرا عالم ہے“

یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے علم عطا فرما کر اس کے درجے بلند کرتا ہے۔ اس لئے مسئولین بھائیوں سے گذارش ہے کہ وہ قرآن مجید کا ترجمہ، حدیثِ رسول ﷺ کا مطالعہ، توحید اور جہاد کے دلائل کی طرف شوق و رغبت رکھیں کہ یہی وہ پناہ گاہ ہے جہاں مایوسیوں کے عالم میں تحفظ اور سکون میسر آتا ہے اور آدمی یقین محکم کے ساتھ آگے سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ کفر کی ہر سازش کو جان لیتا ہے۔ شیطان کے ہر وسوسے کو پہچان کر اس کا حل نکال لیتا ہے۔

قول و فعل

لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانے والے اگر خود عمل میں کمزور ہوں تو سمجھ لیجئے کہ ان کی محنت اور کوشش کا عشر عشیر بھی ملنا مشکل ہے۔ لوگوں کو جہاد کی طرف لانے والے خود میدانِ جہاد کی آتش میں جلنے کی تڑپ نہ رکھتے ہوں۔ عبادات کی

طرف توجہ دلانے والے خود لذت آشنائی سے دور ہوں۔ دین کے لیے کھڑے کرنے والے خود گھروں میں چین کی بانسری بجاتے ہوں۔ دعوت کے میدانوں میں نکالنے والے خود اس راہ کی مشکلات سے انجانے رہتے ہوں اور صرف سٹیج، تقریر، تحریر یا نرم گرم گفتگو کے ذریعے ہی دل لبھانا چاہتے ہوں، تو یاد رکھئے ایسی جماعتوں، افراد، داعیان یا مسئولین کرام کا ڈنکا چند روز تو بجتا ہے لیکن جلد ہی ڈھول کا پول کھلنے پر رسوائیاں مقدر ٹھہر جاتی ہیں۔ لوگ جس تیزی سے ان کے قریب جمع ہوتے ہیں اتنی ہی تیزی سے بکھر جاتے ہیں۔ اور تاریخ بھی ایسے لوگوں کو اپنے صفحات پر جگہ دیتے ہوئے شرماتی ہے۔

شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا:

﴿ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُم عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوفِيقِى اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ ○ ﴾

[هود : ۸۸]

''اور میں نہیں چاہتا کہ تم کو ایک کام سے منع کروں پھر خود اس کو کرنے لگوں۔ میں تو چاہتا ہوں جہاں تک مجھ سے ہو سکے تمہاری اصلاح کر دوں اور اللہ ہی نے مجھے یہ توفیق دی۔ اس پر میں بھروسا کرتا ہوں اور اسی کی طرف اپنا دل لگاتا ہوں۔''

حدیث میں ذکر ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے معراج کی رات جہنم میں ایسے

شخص کو دیکھا کہ جو اپنے پیٹ سے نکلی ہوئی انتڑیوں کے گرد گھوم رہا ہے پوچھنے پر بتایا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جو لوگوں کو تو نیکی کی طرف بلاتا تھا لیکن خود عمل نہیں کرتا تھا۔(استغفر اللّٰہ)

کتاب وسنت کے ساتھ تمسک

بعض مسئولین کے ذہن میں یہ بات سمانا شروع ہو جاتی ہے کہ حالات و واقعات کی تبدیلیوں، سیاست کے طریقوں اور دُنیا داری کے مروجہ اُصولوں کے مطابق کیوں نہ ہم اپنے پروگرام میں کچھ تبدیلی پیدا کرلیں۔ جب ساری دُنیا ہی ایک بات کہہ رہی ہے تو ہم بھی اپنی جماعت چلانے کے لیے کچھ نہ کچھ خود کو معاملات کے رُخ پر لے آئیں۔ حشر اس ذہنیت کا یہ ہوتا ہے کہ ایسی جماعتیں اپنی بربادی کی بنیاد رکھ بیٹھتی ہیں۔ کتاب وسنت سے دوری ہی ہماری مذہبی، دینی و سیاسی جماعتوں کی وجہ بربادی ہے۔ مسائل کا حل کتاب وسنت سے تلاش کرنے کی بجائے جب مجبوریاں، دباؤ، انانیت کے تحت کیا جانے لگے تو پھر اللہ کی رحمت و برکت اُٹھ جاتی ہے۔ حالات خواہ کیسے بھی ہوں ساری دُنیا ایک بات پر متفق ہو جائے۔ اربوں کھربوں کے نقصان کا اندیشہ ہو، لوگوں کی ناراضگیوں کا ڈر ہو، پروپیگنڈے کا اندیشہ ہو، وقتی اور عارضی نقصان کا خطرہ ہو لیکن ہر صورت، ہر جگہ اور ہر وقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کے مطابق موقف اختیار کرنا،

پالیسی ترتیب دینا ایک مدبر مسئول کی نشانی ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ کا جوگروہ کتاب وسنت کے ساتھ چمٹا رہا، اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی کامیابیاں عطا کیں کہ اسلام کی حقانیت ثبت ہوتی چلی گئی۔ گمراہیوں سے اسے نجات مل گئی اور وہ کافروں کی گہری سازشوں کا شکار ہونے سے بچ گیا۔آج کے حالات میں بھی جو لوگ کتاب وسنت ہی کو حرز جاں بنائیں گے وہی نشاۃ ثانیہ کا ہراول دستہ کہلائیں گے، وہی کفر کے نظاموں کوتوڑ کراسلام کو غالب کرسکیں گے۔ان شاءاللہ

کتاب وسنت سے دور ہوکرفکری کج رویوں، فلسفی تحقیقات اور عقلی مباحث میں پڑ کرایک دینی اوراسلامی جماعت کو کھڑا کرنا اوراس کے ذریعے انقلاب بپا کرنا ناممکن ہے۔ایک سادہ اور فطری دین پرسیدھے سادھے طریقے سے چلنے والی جماعت اس تنظیم سے ہزار درجے بہتر ہے جس کے پاس اگرچہ لائبریریاں، بے شمار کتابیں، لاتعداد، دانشور اور مفکرین بے حساب ہوں لیکن وہ کتاب وسنت پر عمل کرنے سے کترائے یا اسے کوئی اہم یا ضروری شے نہ سمجھے۔ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، ڈگریوں کی حامل، باصلاحیت ذہین وفطین قیادت کا ہونا ہی کافی نہیں ہوتا جب تک کہ وہ کتاب وسنت کے سانچے میں ڈھل کرایک ایک انسان کواس جماعت کے مشابہ بنانے کی کوشش نہ کرے کہ جومحمد رسول اللہ ﷺ نے تیار کی تھی۔فرمان رسول ﷺ ہے کہ:

''تم اس وقت تک گمراہ نہیں ہو سکتے جب تک دو چیزوں کومضبوطی سے

تھامے رکھو گے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت ۔''

[موطا امام مالك]

بداعمالیوں اور ظلم سے پرہیز

آج کل دیکھا گیا ہے کہ کوئی بھی سیاسی دنیا دار تنظیم تھوڑی سی افرادی قوت جمع کر لے تو اس کا دماغ آسمان کو چھونے لگتا ہے۔ دوسروں پر رُعب جمانا، دھمکیاں دینا، اپنی تنظیم کا ہوّا کھڑا کرنا۔لوگوں سے اس کے ذریعے مفادات حاصل کرنا، کمزوروں پر ظلم کرنا، مخالفت کرنے والے کو زدوکوب کرنا یا اس پر عرصۂ حیات تنگ کر دینا، لوگوں کا مال ہڑپ کرنے کی کوشش کرنا، دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرنا، انہیں حقیر جاننا وغیرہ ایسی رذیل حرکتیں ہیں کہ جس کے ساتھ کبھی بھی دُنیا میں دیرپا اور پائیدار کامیابیاں حاصل نہیں کی جاسکتیں۔اس طرح اسلام تو قائم نہیں ہوسکتا البتہ لادینیت پھیلانی ہو تو الگ بات ہے۔ ایسی مذکورہ تنظیموں کو ذرا سی شہرت اور پھیلاؤ نصیب ہو جائے تو ان کے قائدین تو کیا عام کارکنان میں بھی ایسی بے دینیاں دیکھنے کو ملتی ہیں کہ اللہ کی پناہ ۔ اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنا، دھونس دھاندلی اختیار کرنا، عیاشیوں میں پڑ جانا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام کر کے خوش ہونا اور شیطانی حرکتیں کر کے اترانا، شیخیاں بگھارنا، غرور وتکبر سے چہروں میں کرختگی پیدا کرنا، جگوں اور بدمعاشوں کے

سٹائل میں بات کرنا، یہ ایسی بداعمالیاں ہیں کہ جن سے تنظیمیں تباہ و برباد ہوکر رہ جاتی ہیں۔لہٰذا مسلمانوں کے قائدین اور خاص طور پر دعوت و جہاد کے رہنما ایسے ظالمانہ طرزِعمل کا سوچ بھی نہیں سکتے کہ یہ تو خود ظلم کے خلاف لڑنے والے ہیں۔ اس لیے ہمارے مسئولین کو ہر وقت بداعمالیوں سے اپنے دامن کو پاک اور صاف کر کے رکھنا ہوگا کہ جماعت میں ایک فرد کی بداعمالی ایک فرد کی نہیں ہوتی بلکہ اس کا وبال پوری جماعت پر پڑتا ہے۔اگر اس کا فوری بروقت اور مضبوط تدارک نہ کیا جائے تو دیکھتے ہی دیکھتے یہ بیماری ایک سے دوسرے فرد کو لگتی چلی جاتی ہے۔ اور بالآخر پوری جماعت کو داغدار کر دیتی ہے۔

ساتھیوں سے تعلقات کیسے ہوں

ایک اسلامی جماعت میں فرد کی حفاظت کی مثال بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہے۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کو سنبھالنا بہت مشکل کام ہے۔اوراس کے لئے نہایت صبر وتحمل،قوتِ برداشت اورحلم کی ضرورت ہے۔کیونکہ آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا، ریوڑ سے بکریاں کس طرح نکل نکل کر بھاگنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اگر ایک طرف سے بکری کو اندر کریں تو دوسری طرف کی بکری باہر نکل جاتی ہے بکری اتنا نازک جانور ہے کہ اسے ڈنڈے بھی نہیں مارے جا سکتے۔البتہ ڈرانے کے لئے ایک لمبی اور پتلی سی شاخ چرواہے کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ جس سے وہ بکریوں کو

گھیرتا ہے۔ اسی طرح انسانوں کی جماعت کو بھی سنبھالنا بہت مشکل امر ہے کبھی ایک ناراض ہوتا ہے، اس کو مناؤ تو دوسرا راضی نہیں ہوتا۔ کبھی کوئی بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو کبھی کسی کو شیطان ورغلانے لگتا ہے۔ غرض یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ انسانوں کو بھی ڈنڈوں کے زور پر جماعت میں شامل نہیں رکھا جا سکتا البتہ اللہ کا خوف، پرہیز گاری اور اللہ کے دین کی محبت ہی انسانوں کو جماعت میں چلائے رکھتی ہے۔ اور جس جماعت کے افراد میں جتنی خوبیاں اس حوالے سے ہوں گی وہ جماعت اتنا ہی کم پریشان اور تفرقے کا شکار ہوگی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

''اللہ کے ہر نبی نے بکریاں چرائیں اور میں نے مکّہ والوں کی چند قیراطوں پر بکریاں چرائیں۔'' [بخاری]

انبیاء و رسل کو بکریاں چرانے کا تجربہ غالباً اسی لئے کروایا جاتا تھا کہ کل انسانوں کی جماعت چلانے کے لئے جس صبر و تحمل، قوتِ برداشت اور محنت و ریاضت کی ضرورت ہوگی۔ وہ ابھی سے ان میں پیدا ہو جائے تاکہ وہ منظّم، منفرد اور شاندار اسلامی جماعت تیار کر کے حق کو حق اور باطل کا بطلان کر سکیں۔

لہٰذا مسئولین اس خوبی سے متصف ہونے کے لیے خود کو ایسے تربیتی مراحل سے گزاریں اور اپنے کارکنان کی بھی اس حوالے سے تربیت کریں کیونکہ کل یہی لوگ مسئولین ہوں گے۔

﴿ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ○ وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوۡحَظٍّ عَظِیۡمٍ ○ ﴾

[حم سجده : ٣٥ ، ٣٤]

''آپ ان کے ساتھ بہترین طریقے سے بات چیت کریں کہ جس کے ساتھ تیری دشمنی ہے وہ تیرا گہرا دوست بن جائے گا مگر ایسے کام وہ لوگ کرتے ہیں کہ جو صبر کرنے والے اور بڑے صاحب قسمت ہیں۔''

یہاں بھی دشمنیوں کو دوستیوں میں تبدیل کرنے ، دلوں سے بغض اور کینہ دور کرنے ، آپس کے مزاجی اختلافات کو ختم کرنے ، دلوں میں محبت والفت ڈالنے اور احباب کو قریب ترین رکھنے کا یہی فارمولا دیا گیا ہے۔ کہ احسن رویہ، بہترین انداز اختیار کیجئے۔ لیکن یہ کام صرف صبر وتحمل رکھنے والے ہی کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَمَنۡ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ○ ﴾

[الشوریٰ : ٤٣]

''اور جو صبر کرے اور قصور معاف کر دے تو یہ ہمت کے کام ہیں۔''

نبی ﷺ نے اشج عبد قیس سے فرمایا:

''تجھ میں دو خوبیاں ایسی ہیں جن کو اللہ پسند کرتا ہے حوصلہ اور بردباری۔''

[مسلم]

ساتھیوں میں پیدا ہونے والے اختلاف میں اکثر اوقات کوئی خاص مسئلہ نہیں ہوتا۔صرف ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی کمی ہوتی ہے اور یہ کمی کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اس کا ذکر ہم آگے کر رہے ہیں۔

عفوودرگزر

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں آئیڈیل اسلامی جماعت کے افراد کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ والْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ﴾ [آل عمران : ۳٤]

’’اور وہ لوگوں کو معاف کر دینے والے ہوتے ہیں۔‘‘

ایک جگہ اپنے نبی ﷺ کو فرمایا:

﴿ خُذِالْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○﴾ [اعراف : ۱۹۹]

’’معاف کرواور نیکی کا حکم دواور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔‘‘

ایک اور جگہ پر اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا:

﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ ﴾ [آل عمران]

’’پس ان (ساتھیوں) کو معاف کر دو۔‘‘

﴿ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ط اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَاللّٰهُ لَكُمْ ط ﴾

[النور : ۲۲]

''اوران کو چاہئے کہ ایک دوسرے کو معاف کریں۔اور درگزر کردیں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے؟''

غرض اس موضوع پر لاتعداد آیات واحادیث موجود ہیں، جو ایمان والوں کو حکم دیتی ہیں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو معاف کردیں اور درگزر کریں۔ خاص طور پر نبی ﷺ کو بار بار یہ حکم اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت کے قائدین، مسئولین اور امراء کا فرض ہے کہ اپنے ساتھ چلنے والے ساتھیوں کی غلطیوں، کوتاہیوں،لغزشوں کو اکثر اوقات معاف کرتے رہیں۔ ہر غلطی پر پکڑ کرنا، ہر کوتاہی پر بےعزتی کرنا، ہرلغزش کو بنیاد بنا کرناروا سلوک کرنا، دعوت و جہاد کے مسئول کے شایان شان نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح ساتھی آہستہ آہستہ حوصلہ چھوڑ دیتے ہیں۔ مایوس ہوکر دور رہنا شروع ہو جاتے ہیں۔ معافی، درگزر، صرف نظر اور غلطیوں کو نظر انداز کرنے کا عمل ایسا مستحسن عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی راضی اور اللہ کے بندے بھی خوش، جنتوں کا حصول آسان اور دنیا کا سکون بھی حاصل۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ساتھیوں کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر انہیں ڈانٹنے ڈپٹنے، ان سے سرزد ہونے والے جرم کی تشہیر کرنے سے دلوں میں نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔ دل اکتاہٹ اور اکساہٹ کا شکار ہوکر سخت ہو جاتے ہیں۔ جرم کی تشہیر ڈھٹائی پیدا کرتی ہے یا پھر احساس ندامت اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ مایوسی کا شکار ہوکر اپنے دین وایمان کو خطرے میں ڈال لیتا ہے یا کبھی کبھی ایسا بھی

ہوتا ہے کہ اس عمل سے یہ اتنا شیر ہو جاتا ہے کہ آئندہ وہ چھوٹی چھوٹی غلطیاں تو کیا بڑے بڑے جرائم کے لئے بھی ذہنی طور پر تیار ہو جاتا ہے نتیجتاً مسئول کی اس صفت سے محرومی کے باعث کتنے افراد نہ صرف جماعت سے الگ ہو کر کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں بلکہ بعض کم علم لوگ اسلام کے بارے میں بھی شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے خادم انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے کبھی زندگی بھر رسول اللہ ﷺ نے نہیں ڈانٹا حتیٰ کہ جب مجھے کسی کام سے بھیجا جاتا اور جس گلی میں کھیلنے والے بچوں کے ساتھ مشغول ہو کر کام بھول جاتا تو اس پر بھی نبی ﷺ بجائے ڈانٹنے کے مسکرا دیتے۔

لیکن اس سلسلے میں دو باتوں کو لازمی سامنے رکھنا چاہیئے۔ ایک تو یہ کہ اگر غلطی کا تعلق اخلاقی برائیوں، گناہ یا غلط عقیدے سے ہو تو پھر متعلقہ بھائی کی اصلاح کرنا، اسے وعظ ونصیحت کرنا ضروری ہے۔ ایسے معاملات کو نظر انداز کرنا اس کی آخرت کے لیے خطرناک ہے اور اپنے بھائیوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرنا ہم پر فرض ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر غلطی کے اثرات کا تعلق دیگر ساتھیوں سے ہو یا اجتماعی نقصان ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں بھی غلطیوں کا ازالہ کروانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مسئلے جلد حل کرنے چاہئیں ایسی صورت میں سرزنش کرنا، غلطی کرنے والے کے ہاتھ کو پکڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔

ماموریں سے نرمی

نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

''اے اللہ! جو شخص میری امت کے معاملات کا امیر بنا اور اس نے ان پر مشقتوں کو لادا تو تو بھی اس پر مشقتوں کو نازل فرما اور جو شخص امت کے امور کا والی (یا امیر) بنا اور اس نے ان کے ساتھ نرمی کی تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرما۔'' [مسلم]

یہاں نبی ﷺ نے نرمی کرنے والوں کو دعا دی ہے اور سختی کرنے والوں کو بد دعا دی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے نبی ﷺ کے متعلق فرمایا:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ [آل عمران : ١٥٩]

''(اے نبی ﷺ)! یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان (اپنے ساتھیوں) کے لیے نرم خو ہو اور اگر درشت اور سخت دل ہوتے تو تمہارے آس پاس جمع ہونے والے ساتھی تم سے بھاگ جاتے۔''

یعنی مسئول یا امیر کی نرمی سے لوگ قریب آتے ہیں جماعت بنتی ہے اور سختی کرنے سے جماعت بکھرتی ہے۔ لوگ دور بھاگتے ہیں لیکن یہ اعلیٰ خوبی جیسا کہ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے، صرف اللہ کی رحمت سے ملتی ہے اور اللہ ان لوگوں

پر رحمت کرتا ہے جواس کے بندوں پر رحم کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ انسانوں پر رحم کرنے سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اوراس کی رحمت کی وجہ سے آدمی نرم دل ہو جاتا ہے اور نرمی کی وجہ سے جماعت ترقی کرتی ہے اور لوگ قریب سے قریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔اس سے الٹ یہ ہے کہ مامورین کے ساتھ چلنے والے بھائیوں پر رحم نہ کرنے سے اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی اور عدم رحمت کی وجہ سے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ دلوں کی سختی زبان اور ہاتھ سے ظاہر ہو کے رہتی ہے۔جس سے جماعت ٹوٹتی ہے افراد بکھرتے ہیں۔ جماعت کے افراد کا ایک لڑی میں نہ ہونا، مربوط و منظّم نہ ہونا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کو لے کر چلنے والے، اس کی قیادت کرنے والے، اس کے امراء ومسئولین اور ذمہ داران نرم خو نہیں ہوتے۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کی تصویر نہیں ہوتے۔ اَذِلَّةً عَلَى الْمُؤْمِنِيْن کی تعبیر نہیں بنتے۔

بھائیوں کی مشکلات پر پریشان ہونا

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے کہ:

﴿ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ [التوبة]

''تمہاری تکلیف ان پر گراں گزرتی ہے۔''

یعنی نبی ﷺ کو صحابہ کرامؓ کی تکالیف بھاری محسوس ہوتی تھیں۔ جب ایک

مسئول کو اپنے کارکنان، مامورین یا ماتحت ساتھیوں کی تکالیف کا احساس ہو اور یہ احساس اسے بے چین کر دے تو پھر یقیناً وہ اسے حل کرنے کی بھی کوشش کرے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ساتھیوں کی تمام تکالیف کا مداوا مسئول کر سکے اور ایسا ممکن بھی نہیں ہوتا لیکن ساتھیوں کے دکھ درد میں شریک ہونا، ہمدردی کے دو بول ادا کر دینا، حوصلہ ...... کی بات کرنا بھی بعض اوقات بہت بڑی امداد سے بہتر ثابت ہوتا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امیر، مسئول یا ذمہ دار مشکلات میں اپنے ساتھیوں کی تربیت کرتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے گلہ کیا اور کہا ان حالات میں آپ ہمارے لئے امداد کی کیوں دعا نہیں کرتے؟ تو نبی ﷺ نے اس موقعہ پر فرمایا کہ میرے ساتھیو! تم ابھی سے گھبرا اٹھے؟ سنو تم سے اگلے مواحدوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے رکھ دیئے جاتے اور چیر کر ٹھیک دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن وہ توحید و سنت سے نہ ہٹتے تھے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت پوست نوچے جاتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں چھوڑتے تھے۔

ساتھیوں کی خبر گیری

ساتھیوں کی خبر گیری کرنا، ان کے حالات و واقعات کی معلومات رکھنا، یہ بھی اچھے مسئول کی نشانی ہے۔

نبی ﷺ نے دیکھا کہ مسجد کی صفائی کرنے والا مرد یا عورت آج کل نہیں آ رہی تو اپنے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ وہ تو فوت ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کیا کہ مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں کی۔ آپ ﷺ اس کی قبر پر گئے اور نماز جنازہ ادا کی۔

اس طرح ایک یہودی لڑکا جس کو آپ ﷺ دعوت اسلام دیتے رہتے تھے، جب بیمار ہوا تو آپ اس کی تیمارداری کے لیے تشریف لے گئے جس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس نے مرنے سے قبل اسلام قبول کر لیا۔ ان دونوں واقعات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اپنے ارد گرد بھائیوں اور احباب سے متعلق معلومات رکھنی چاہئیں تا کہ بوقت ضرورت اگر ہو سکے تو ان کی مدد کی جا سکے۔ لیکن اس میں یہ بھی پیش نظر رہے کہ مسئول یا امیر کے لیے تمام لوگوں، سینکڑوں، ہزاروں افراد کے متعلق ہر وقت معلومات رکھنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ جتنی اللہ نے اسے ہمت اور توفیق دے رکھی ہو اس کے مطابق ساتھیوں کی خبر رکھنے کی کوشش کرے تا کہ اللہ کا دین تیزی سے غالب آ سکے۔ دلوں کا حال اللہ بہتر جانتا ہے اور وہی حالات کو درست اور معاملات کو ٹھیک کرنے والا ہے۔

جنگ قادسیہ سے واپس آنے والے قاصد نے امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ کو بتایا کہ جنگ میں شہید ہونے والے کچھ تو وہ ہیں جنہیں آپ جانتے ہیں اور بہت سے وہ ہیں جنہیں آپ نہیں جانتے تو آپؓ نے جواب دیا: ”انہوں نے جس رب کی خاطر جان دی ہے وہ انہیں بہتر جانتا ہے۔“

عام کارکنان سے محبت

ایک مسئول اور خاص طور پر ایک داعی مسئول کی یہ مخلصانہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ بااثر، شخصیات، متمول گھرانوں، اعلیٰ نسب والے، سرداروں، عہدیداروں، معاشرے کی معروف شخصیات کو جماعت میں زیادہ سے زیادہ شامل کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی یہ سوچ اور فکر نیک نیتی اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہوتی ہے۔ لیکن اس میں قباحت اس وقت جنم لیتی ہے جب دین کے لیے جان لڑانے والوں، قربانیاں دینے والوں، متقی، زاہد، عابد کارکنان کو مسلسل نظر انداز کیا جانے لگتا ہے اور محض مادی وسائل اور دنیاوی عزت و جاہ اور دولت کے لیے اللہ کے دین سے غافلوں اور جاہلوں سے دوستی گانٹھی جانے لگے، اللہ کو یہ بات نہایت ناپسند ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰکَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَکَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○ ﴾

[الکهف : ٤٨]

”اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کے چہرے کے طلبگار ہیں، ان کے ساتھ صبر کرو (یعنی جمے رہو) اور تمہاری نگاہیں ان

سے ہٹ کر اور طرف نہ جائیں کہ تم آرائش زندگی چاہتے ہو۔ اور جس شخص
کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی
کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے اس کا کہا نہ ماننا۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مسئول کی مجلس اور محبت کا محور و مرکز وہ ساتھی ہونے چاہئیں جو اللہ کے ساتھ مخلص ہیں۔ متقی، عبادت کرنے والے، ذکر کرنے والے نیک لوگ ہیں اور اگر ان کو چھوڑ کر ایک مسئول تاجروں، سرکاری افسران، اعلیٰ عہدیداران اور دولت منداور معروف شخصیات کے آگے پیچھے رہے جو کہ اللہ کے دین پر عمل کرنے والے نہیں، بے دینی اور نافرمانیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں تو پھر اس کا نتیجہ لازمی یہ نکلے گا کہ جماعت مخلص لوگوں سے محروم ہوتی چلی جائے گی۔ مفاد پرست، دنیادار اور بے دین لوگوں کی اجارہ داری قائم ہو جائے گی جو کہ قربانیوں والی جماعت کو برباد کر کے رکھ دیں گے۔ اللہ کی رحمت دور ہو جائے گی آدمی سمجھتا ہے کہ وسائل صرف تاجروں سے تعلقات کی وجہ سے ملتے ہیں جبکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((اِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ))

''کہ تمہیں تو رزق تمہارے کمزوروں کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔''

یعنی عام کارکنان، کمزور، ضعیف، غیر معروف ساتھیوں کی وجہ سے، ان کے تقویٰ اور تعلق باللہ کی بدولت، اللہ تعالیٰ وسائل بھی فراہم کرتے ہیں اور مدد و

نصرت کی ہوائیں بھی چلاتے ہیں۔ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے شکایت کی کہ میرا بھائی آپ کے پاس بیٹھا رہتا ہے اور کوئی کام کاج نہیں کرتا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تجھے کیا خبر کہ تجھے رزق اس آدمی ہی کی وجہ سے دیا جاتا ہو جو دین کے کام میں مصروف ہے۔ اللہ کے دین کی دعوت وتعاون کے لیے ہر قسم کے لوگوں سے ملنا، ملاقات کرنا، تعلقات بنانا ضرورت کی حد تک ٹھیک ہیں۔ لیکن اصل اہمیت و فضیلت اور محبت ومجلس کے حقدار وہی لوگ ہیں کہ جو دین میں پورے پورے داخل ہو کر دعوت وجہاد کے لیے قربانیاں پیش کر رہے ہوں۔ چاہے وہ غریب ہوں یا امیر، پڑھے لکھے ہوں یا ان پڑھ، با صلاحیت ہوں یا سادہ، کمزور ہوں یا طاقتور، جوان ہوں یا بوڑھے، عالم ہوں یا کم علم۔ اس سلسلے میں سورہ عبس کی آیات دیکھ لیجئے:

﴿ عَبَسَ وَتَوَلّٰی ○ اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ○ وَمَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰیۤ ○ اَوۡیَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعَہُ الذِّکۡرٰی ○ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰی ○ فَاَنۡتَ لَہٗ تَصَدّٰی ○ وَمَا عَلَیۡکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ○ وَ اَمَّا مَنۡ جَآءَکَ یَسۡعٰی ○ وَھُوَ یَخۡشٰی ○ فَاَنۡتَ عَنۡہُ تَلَھّٰی ○﴾ [عبس : ۱۔۱۰]

"(نبی ﷺ) ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا اور تم کو کیا خبر شائد وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا سوچتا تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا (لیکن) جو پروا نہیں کرتا، اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو حالانکہ اگر وہ نہ

سنورے تو تم پر کچھ (الزام) نہیں اور جو تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور (اللہ) سے ڈرتا ہے۔ اس سے تم بے رخی کرتے ہو۔''

مشورے کی عادت ڈالی جائے

کارکنان کو قریب لاتے ہوئے ان سے دوستیاں قائم کرتے ہوئے ضروری ہے کہ مسئول اور ان کے درمیان اعتماد کی فضا بھی قائم ہو۔ حقیقت حال تو یہ ہے کہ افراد اس وقت تک آپس میں منظّم ہو ہی نہیں سکتے۔ جب تک کہ ان میں اعتماد کا ماحول نہ ہو، ان کا اپنے قائدین پر بھروسہ نہ ہو۔ وہ ادارے کے افراد پر اعتماد کرنے کی بجائے اپنے قوانین وضوابط پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں، جلد مار کھا جاتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ساتھیوں سے مشورہ کیا جائے اور خوب خوب کہا جائے۔ قرآن مجید نے اس اہم نقطہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا۔

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ﴾ [آل عمران : ۱۵۹]

''اوران سے امور میں مشورہ لو۔''

اور ایک پسندیدہ اسلامی جماعت کی خوبی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ [الشوریٰ : ۴۲/۳۸]

''اوران کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوتے ہیں۔''

مشورہ لینے سے کارکنان، دعوت و جہاد کی حقیقی جماعت کے ساتھ گہری

وابستگی محسوس کریں گے خود کو اس کا اہم جزء جان کر اس کا حق ادا کرنے کی سعی کریں گے۔ یہی باہمی اعتماد کا ماحول ذہنوں کو سکون مہیا کرتا ہے۔ دلوں سے اشکالات رفع کرتا ہے۔ کارکنان کو ہر نئے آنے والے مسئلے، نئے مصائب و آلام سے آگاہ رکھنا اور انہیں قبل از وقت ذہنی طور پر تیار رکھتا ہے۔ یہی ماحول دعوت پر پختہ رہنے کا سبق سکھلاتا ہے۔ جس جماعت میں مسئول یا افراد اپنے ساتھیوں سے قطعاً مشورہ نہیں کرتے، صرف اور صرف حکم اور صرف حکم پر افراد کو چلاتے ہیں۔ ان کے فیصلے ذلت و رسوائی کا سبب بننا شروع ہو جاتے ہیں۔ فیصلوں میں ٹھوکر لگتی ہے۔ نفع و نقصان کے تمام پہلو واضح نہیں ہو پاتے۔ ظاہر ہے کہ ایک قائد چاہے کتنا ہی زرخیز ذہن والا کیوں نہ ہو آخر ایک خاص طرز یا فکر کا حامل بھی ہوگا جبکہ مختلف ساتھیوں سے مشورہ کرنے کی وجہ سے وہ پہلو سامنے آ جاتے ہیں کہ جس کا اندازہ مشورے سے قبل نہیں ہوتا۔ مشورے کے سلسلے میں چند نقاط یاد رہنے چاہئیں:

(۱) مشورہ اللہ کا حکم اور خیر و فلاح کا مؤجب ہے۔

(۲) مشورے سے ساتھیوں میں اعتماد، یقین اور وابستگی بڑھتی ہے۔

(۳) جماعت کے ہر فرد سے مشورہ ضروری نہیں اور ایسا ممکن بھی نہیں ہوتا۔ کام کی نوعیت کے لحاظ سے مسئول جس سے مناسب سمجھے مشورہ کر لے۔ البتہ بعض اوقات وسیع مشورہ فائدہ مند ہوتا ہے۔

(۴) اگر کسی سے مشورہ کئے بغیر بھی کام کا حکم دیا جائے تو اطاعت کرنا ضروری ہے۔

(۵) ہر مشورے پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔

(٦) تمام مشاورت کو رد کر کے کسی ایک آدمی کے مشورے پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

(۷) ہر کام کے بارے میں مشورہ ضروری نہیں ہے۔

آخر میں نبی ﷺ کی ایک حدیث اللہ کے پسندیدہ مسئول اور مشورے کے حوالے سے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ کسی امیر کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے سچا معاون بنا تا ہے جو بھول جانے پر اسے یاد دلاتا ہے۔(اچھا مشورہ دیتا ہے) اور اس کی مدد کرتا ہے اور جس امیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ نہیں کرتے تو اس کے لیے ایسا معاون بناتے ہیں جو (کوئی کام) بھول جانے پر امیر کو یاد نہیں دلاتا اور نہ ہی اس کی (کاموں میں) مدد کرتا ہے۔ [ابوداؤد ، نسائی]

بھائیوں کے لیے مغفرت کی دعا

اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو فرمایا:

﴿ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ﴾ [آل عمران : ۱۵۹]

''اوران کے لیے مغفرت طلب کرو۔''

اپنے ساتھیوں کے لیے مغفرت طلب کرنا، دراصل ایسا شاندار فعل ہے کہ جس سے مذکورہ بالا تمام امور سرانجام دینے آسان ہو جاتے ہیں۔ آپ خود سوچیۓ کہ جو مسئول اپنے احباب و کارکنان کی آخرت کے بارے میں اتنا فکرمند ہو کہ اللہ سے ان کی مغفرت و بخشش کے لیے گڑگڑاتا ہو، اللہ سے ان کے لیے رحمت کا طالب ہو، اپنے ساتھیوں کو دعاؤں میں یاد رکھتا ہو، کیا پھر وہ سخت مزاج، درشت لہجے والا، معمولی معمولی باتوں پر، پرہیز کرنے والا، ساتھیوں پر بداعتمادی کرنے والا، بے صبرا، ساتھیوں کے حالات سے بے خبر اوران سے صحیح تعلقات نہ رکھنے والا ہوسکتا ہے؟

یقیناً ایسا نہیں ہوسکتا۔ تو پھر لازم ہے کہ ایک مسئول اپنی مناجات اور دعاؤں میں خصوصیت کے ساتھ اپنے بھائیوں کو یاد کرے۔ انہیں سیدھے راستے پر رکھنے، ان کے دل آپس میں جوڑے رکھنے، ان سے دین کا زیادہ سے زیادہ کام لینے اور ان کی استقامت کے لیے دعائیں کرنے سے محبت ...... کی وہ سرشاری پیدا ہوتی ہے کہ دل جڑتے چلے جاتے ہیں۔

تنظیم سازی اور دعوت واصلاح

آخر تنظیم سازی یا نظم ہے کیا بلا کہ ہر پارٹی یا گروہ کا ہر دردمند کارکن اس کا

اسیر نظر آتا ہے۔ بدنظمی پر سیخ پا ہے۔ اور بہترین نظم پر شاداں وفرحاں۔ بڑے بڑے مفکر، دانشور اور پارٹیوں کے لیڈر اس موضوع پر کبھی تقریریں جھاڑتے نظر آتے ہیں۔ نظم سے کام کرنے والوں کو سراہا جاتا ہے۔ ان کی کارکردگی پر تعریف و توصیف کے پل باندھے جاتے ہیں۔ لیکن آج تک یہ بات سمجھ نہیں آ سکی کہ یہ نظم آخر کونسے باغ کا پھل ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کام کرنے کے لیے تحریری طور پر کوئی دستور اور خاکہ تیار ہونا چاہئے اور اس دستوری نظم اور خاکے میں درج ہدایات کے مطابق اگر کام کیا جائے تو بہترین نظم ہے۔ کچھ کے خیال میں پارٹی کی کچھ مخصوص روایات ہوا کرتی ہیں۔ ان روایات کو برقرار رکھنا اور ان پر عمل کرنا بہترین نظم ہے۔ کچھ کے خیال میں بہترین نظم یہ ہے کہ کام کا شیڈول کے مطابق ہونا ہر معاملے کا طے ہو جانا ہر پروگرام دیئے گئے وقت کے مطابق شروع ہو۔ اس پر ختم ہو، دفتروں کے آنے جانے کے اوقات مقرر ہوں، تنخواہیں دینے کا اصول ہو، الاؤنسز طے ہوں۔ یعنی ایک لگے بندھے طریقے کے تحت چل رہا ہو تو ایسی پارٹی یا گروہ منظّم کہلائے گا۔ لیکن مذکورہ نظم تو کسی بھی سیاسی، جمہوری پارٹی، لادین گروہ، غیر اسلامی گروپ یا کسی بھی مذہبی فرقے کا تو ہو سکتا ہے لیکن کیا وہ جماعت جو قرآن وحدیث کے حقیقی دعوے کی بنیاد پر قائم ہو، جس کا ایک ایک عمل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ڈھل رہا ہو۔ کیا اس کے لیے بھی دنیاوی یا مروج نظاموں کی بیساکھیوں کی ضرورت ہو گی یا قرآن وسنت نے دیگر شعبہ جات

کی طرح اس معاملے میں بھی اپنا الٰہی قانون دیا ہے؟ یہ وہ سوال ہے کہ جس پر آج ہمیں تدبر کرکے اپنی زندگیوں کا جائزہ لینا ہے کہ کیا ہم اس الٰہی قانون کی پاسداری کررہے ہیں؟ یا ہر بہتے ہوئے سیلاب میں ہم بھی اپنے آپ کو ڈبونے کی کوشش کررہے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہر نبوی منہج کے مطابق کام کرنے والی جماعت اور دیگر افرادی ہجوم کے کام کرنے میں کیا فرق ہوا؟ اور جب فرق نہیں تو اس کے اثرات ونتائج میں بھی فرق نہیں ہوگا۔ نتیجتاً ایسی دینی جماعت دنیا میں کوئی قابل ذکر کردار ادا نہیں کر پائے گی اور نہ ہی ایسے لوگوں سے توقع اور امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کا عظیم اور اعلیٰ فریضہ سرانجام دے کر رب العزت کے ہاں سرخرو ہوسکیں۔ جی ہاں یہ فرق اور امتیاز اللہ تعالیٰ نے دعوت و جہاد کی شاہراہ پر چلنے والی جماعت کو اطاعت امیر کے ساتھ عطا فرمایا ہے۔ نامکمل دین کو لے کر چلنے والے فرقوں، چند اعمال اور چند وظیفوں پر قائم ہونے والی تنظیموں یا تحریکوں کا کام سیکولر نظام کیساتھ چل سکتا ہے۔ لیکن جن شاہینوں نے دنیا میں عملاً کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سینہ تان کر اسے جڑ سے اکھاڑنے کی تیاری کرنی ہو؟ جن جانبازوں نے اللہ کے نافرمانوں اور باغیوں کے وجود سے اللہ کی زمین کو پاک کرنا ہو؟ جن داعیان نے وحی کے دلائل کیساتھ ادیان باطلہ کا محاکمہ کرنا ہو؟ جن اللہ کے سپاہیوں نے شیطانی طاقتوں پر صحیح دینی قوت کی ضرب کاری لگانی ہو؟ جن اللہ کے ولیوں نے امت مسلمہ کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لیے اللہ کی

نصرت کیساتھ میدانوں میں نکلنا ہو، تو ایسی جماعت ایک قدم بھی کامیابی کی طرف نظام امارت کے تصور کے بغیر نہیں بڑھ سکتی۔ جماعت تو کہتے ہی ایسے لوگوں کو ہیں جو امیر کی اطاعت میں ہو۔ امیر کی بات غور سے سننا اور پھر اس پر دل و جان سے عمل کرنا ان کا شعار ہو۔ جہاد جن کی پسندیدہ عبادت ہو ورنہ حقیقت میں کسی بھی دوسری تنظیم یا تحریک یا پارٹی کو فی الواقع جماعت کہلانے کا کوئی حق نہیں کہ جو قرآن وسنت کی بنیاد پر امیر کی اطاعت میں دعوت و جہاد کو اختیار نہیں کرتی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ)) [کتابُ السنه (ابن عاصم)]

''جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد اور رحمت منتشر بکھرے ہوئے اور الگ الگ رہنے والے لوگوں پر نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی تائید ایسے لوگوں کے ساتھ ہے کہ جو باہم شیر وشکر ہو کر امارت میں رہ کر بصورت جماعت زندگی بسر کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے نظام امارت کی اتنی تاکید فرمائی، اتنا زور دیا کہ تین یا تین سے زائد سفر کرنے والوں پر پابندی لگا دی کہ وہ اپنے میں سے ایک امیر لازمی منتخب کریں۔ ان کا سفر شرعی سفر تب ہی کہلائے گا جب اللہ کے حکم کے مطابق امارت میں منازل طے کر رہے ہوں گے۔ کسی مسلمان پر تین دن بھی بغیر امارت کے گزر جائیں تو اس کا جینا نہیں اور اگر اس کی موت اس حالت میں آ جائے تو

آپ ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ مَاتَ وَهُوَ مُفَارِقٌ لِلْجَمَاعَةِ فَإِنَّهُ يَمُوتُ مَوْتَ الْجَاهِلِيَّةِ)

[مسلم]

’’جو شخص مر گیا اور وہ جماعت سے الگ زندگی گزار رہا تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔‘‘

تو میرے بھائیو! ذرا سوچیے کہ اگر چند روز کا سفر بغیر امیر کے جائز نہیں اور اس کے بغیر اللہ کی مدد نہیں تو پھر کیا خیال ہے کہ اگر ہماری پوری زندگی اطاعت امیر کی بجائے اپنی مرضی، ذاتی اغراض و مقاصد، اپنی نفسانی خواہشات اور اپنے مفادات کے تحت گزر رہی ہو تو کیا اللہ تعالیٰ ہم لوگوں سے اپنے دین کا کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دلوائے گا؟ کیا اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر فتح کے دروازے کھولے گا؟ یقیناً نہیں۔ بلکہ جہاد کے راستے میں ایک لمحہ کی بھی نافرمانی شدید نقصان کا باعث بن جایا کرتی ہے۔ غزوۂ اُحد میں چند صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے برخلاف اپنے امیر کی نافرمانی کرتے ہوئے متعلقہ درے کو خالی کر دیا تھا۔ یہ بات اللہ کو ایسی ناپسند ہوئی کہ جنگ کا نقشہ پلٹ گیا۔ فاتح صحابہ کرامؓ شکست کی طرف دھکیلے جانے لگے۔ مسلمانوں کو گہرے زخم لگے۔ وجہ صرف امیر کی نافرمانی تھی۔ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی تھی۔ آج ہمیں بھی بڑے بڑے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ ایک ایک لمحہ اللہ کی مدد کی ضرورت ہے۔ جہاد کے محاذوں پر بھی، جہاں

معمولی نافرمانی کثرت شہادت، شکست یا بد دلی کا باعث بن سکتی ہے۔ جہاں گولیاں چلتی ہیں، بارود شعلے اگلتا ہے اور دوسری طرف دعوت کے میدان میں سازشوں کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ کہیں حکومتوں کی بے وفائیاں ہیں۔ کہیں عالمی دباؤ ہے۔ کہیں عوام میں کافروں کے ایجنٹ جاسوس اور دہشت گرد پھیلے ہوئے ہیں۔ کہیں عام مسلمانوں میں شرپسندوں نے شکوک وشبہات کا انبار لگا رکھا ہے اور سب سے بڑھ کر شیطان انسانوں کی شکل میں خود اس کی خواہشات کی صورت گھات لگائے بیٹھا ہوا ہے۔ تو بتائیے! ہم بغیر جماعت یا امارت کے کتنی دیر تک اپنے ایمان کو محفوظ رکھ سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے مثال دے کر فرمایا: جو بھیڑ اپنے ریوڑ سے الگ ہو کر زیادہ سے زیادہ چارہ حاصل کرنے کے لیے گھومتی پھرتی ہے اندیشہ ہے کہ جلد ہی کوئی بھیڑیا اسے چیر پھاڑ کر رکھ دے۔'' جماعت میں رہ کر ہی اپنے عقیدہ و ایمان کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔ ورنہ تو بڑے بڑے متقین انفرادی زندگی گزارنے پر جماعت کے ساتھیوں سے علیحدہ ہو کر کام کرنے، اطاعت امیر سے دور رہنے کی وجہ سے غلبہ دین کا عظیم کام کرنا تو درکنار اپنی نمازوں تک سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ آہستہ آہستہ دنیا اتنی تیزی سے غالب آتی ہے کہ دین فقط ایک یاد ماضی بن کر رہ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جماعت کیساتھ رہنے میں اطاعت امیر کرنے پر مجاہدین، داعیان اور قربانیاں دینے والے ساتھیوں کی نیک، ایمان افروز صحبت میسر آتی ہے اور آدمی ہر دن، ہر لمحہ دین میں اللہ کے لیے

آ گے سے آ گے بڑھتا چلا جا تا ہے۔نیکیوں کے پہاڑ ذخیرہ کر لیتا ہے۔دین کی راہ میں حائل رکاوٹوں اور مشکلات کو دور کرنے کی ہمت اور جرأت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔اور بالآخر......اللہ اس سے اپنے دین کا کام لے لیتا ہے۔اسے قبول فرما لیتا ہے۔ جہاد کے خوش نصیب میدانوں کے لیے،شہادتوں کے انعامات کے لیے، طاغوتوں اورفرعونوں کے خاتمے کے لیے،اس کا ایک ایک پہلو نکھرتا چلا جا تا ہے۔ صلاحیتیں نمو پانا شروع ہو جاتی ہیں۔لیکن اس کے برعکس؟...... جو اعلیٰ ماحول کو چھوڑ کر دیگر لا دین اور دنیادار لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے۔اپنی مرضی کی زندگی گزارتا ہے تو اس پر بتدریج دنیا کا رنگ غالب آ جا تا ہے اور حالات یہاں تک پیدا ہو جاتے ہیں کہ کل تک نمازوں اور دعاؤں میں شہادت کی رو رو کر دعائیں کرنے والا،عسکری تربیتیں حاصل کرنے والا، بڑی سے بڑی قربانیاں دینے کا عزم کرنے والا، رات دن لوگوں کو اللہ کے لیے متوجہ کرنے والا، آخرت کا خوف اور اللہ کا تقویٰ یاد دلانے والا،محض چند ٹکوں کا پجاری بن کر شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔اور عام مسلمانوں سے بھی زیادہ سطحی زندگی گزارنے لگتا ہے۔اس کی ساری کی ساری صلاحیتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔اس کی ڈگریاں، اس کی فہم وفراست،اس کی عقل و دانش،اس کی محنت شاقہ،اس کے جذبات وخیالات، سب کچھ مٹی ہو جاتے ہیں۔فقط اس وجہ سے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق امیر کی اطاعت کو اہمیت نہ دی۔ جماعت کو ضروری خیال نہ کیا۔اس

کے بغیر ہی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے کی کوشش کی۔غرض اللہ کی مدد سے محروم، نتیجہ صفر اور نیکی برباد، گناہ لازم (العیاذ باللہ)

امیر کی اطاعت ہر حال میں ضروری ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكَ السَّمْعَ وَالطَّاعَةَ فِيْ عُسْرِكَ وَ يُسْرِكَ وَ مَنْشَطِكَ وَ مَكْرَهِكَ وَ اَثَرَةٍ عَلَيْكَ)) [مسلم ،کتاب الایمان : ۳٤۱۹]

''تنگی ہو، آسانی ہو، خوشی ہو، ناخوشی ہو، اور تجھ پر ترجیح دی جائے، پھر بھی تیرے لئے سننا اور اطاعت کرنا ضروری ہے۔''

یہ نہیں کہ جو کام آسان ہو، مشقت والا نہ ہو۔ ایسے امور میں اطاعت کر لی جائے اور جن کاموں میں تکلیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑے، کچھ خرچ کرنا ہو، والدین، بیوی، بچوں، نوکری، دولت جیب ،دوست، رشتہ دار یا دنیا کی دیگر مرغوبات کی قربانی دینی پڑے، وہاں حیلے بہانے کر لئے ،تاویلات کا سہارا لیے لیا۔ایسی اطاعت کو لازمی خیال نہ کیا یا پھر من پسند احکامات و ہدایات کی اطاعت کر لی اور جن امور کو ادا کرنے میں طبیعت بوجھل ہوئی، دل نہ مانا، مرضی کے مطابق کام نہ ملا، مزاج کے برخلاف امیر نے بات کہہ دی،تو تسلیم نہ کیا۔امیر نے مرضی کے مطابق ڈیوٹی لگا دی ،مسئولیت دے دی،تو فوراً خوشی سے مان لیا اور اگر امیر نے جماعتی فوائد کو سامنے رکھتے ہوئے مرضی کے خلاف ذمہ داری دے دی تو پھر ہاتھ کھڑے کر لئے۔ شکوک وشبہات کا اظہار کر دیا، عدم اعتماد کے جملے نکلنا

شروع ہو گئے۔ مایوسی پھیلانا ساتھیوں کو متنفر کرنا، امیر کی عقل و دانش پر تبصرہ کرنا، اپنی بات کے دلائل دینا اور امیر کی بات کو ہلکا کرنا، کانوں میں سرگوشیاں کرنا، ایسے موقعوں پر بے شمار مجبوریاں سامنے لا کر کھڑی کر دینا، کام کو ناممکن دکھانے کی کوشش کرنا، اس کی افادیت کو کم ثابت کرنے کو کوشش کرنا۔ یہ سب ہتھکنڈے سیکولر جمہوری پارٹیوں کے جیالوں، ورکروں کے تو ہو سکتے ہیں لیکن عقیدہ توحید کی بنیاد پر دعوت و جہاد کا فریضہ سرانجام دینے والے کارکنان اور مسئولین یا ذمہ داران سے کم از کم ایسی حرکتوں کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ جس کا عقیدہ ہو کہ وہ رب العالمین تو دلوں کے حال تک سے واقف ہے۔ نیتوں کے بھید جانتا ہے۔ ایک ایک عمل کا حساب رکھنے والا ہے۔ بھلا وہ لوگ کیسے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی نافرمانی کر سکتے ہیں۔ امیر کو وقتی طور پر اندھیرے میں رکھا جا سکتا ہے اسے غلط گائیڈ کیا جا سکتا ہے، اپنی شخصیت کا رعب ڈال کر بات منوائی جا سکتی ہے۔ اپنی چرب زبانی کیوجہ سے دلائل کے ڈھیر لگائے جا سکتے ہیں۔ کچھ ڈھکی چھپی دھمکیاں دے کر دعوت و جہاد کا نقصان کرنے کی بات کر کے امیر کو مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اپنی چالاکی اور حاضر جوابی سے امیر کو خاموش کرایا جا سکتا ہے۔ لیکن کیا ایسے لوگ اللہ رب العزت کو بھی دھوکہ دے لیں گے؟ کیا کل قیامت کے دن وہ لوگ اللہ کے سامنے بھی یہی طرز عمل اختیار کر لیں گے؟ ایسے لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہئے کہ اگر ان معاملات پر اللہ نے ان کی پکڑ کر لی تو پھر کون ہے انہیں رب کے غیض و غضب

سے چھڑانے والا؟ یہ جہاد ایسا عمل ہے کہ اس میں ہر شئے نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔ صاف اور خالص چیزیں مکھن کی طرح ابھر کر سامنے آجاتی ہیں۔ جبکہ ناخالص اور گندی چیزیں تہہ میں بیٹھ جاتی ہیں۔ امیر کی ہدایات کو اپنے مخصوص معنی و مفاہم پہنانے والوں کو اپنے مفادات کو فریم میں ڈھالنے والوں کو عارضی دنیاوی متاع حاصل کرنے والوں کو یا امیر کے حکم کو عملی طور پر غلط ثابت کرنے والوں کو اللہ سے ڈر جانا چاہیئے کہ ایسے معاملات زیادہ دیر تک نہیں چلا کرتے۔ اللہ رب العزت خود ہی ایسے لوگوں کو دنیا میں ذلیل ورسوا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن کیوجہ سے جماعت سے برکتیں اٹھنا شروع ہو جاتی ہیں۔قربانیاں ضائع ہوتی نظر آتی ہیں۔ جبکہ امیر کی اطاعت کرنے والوں، اس پر اپنی تمام صلاحیتوں کو خرچ کر کے ہدایات کو بالعمل نافذ کرنے والوں اور اس کی خاطر قربانیاں دینے والوں کی وجہ سے جماعتیں اتنی تیزی سے ترقی کی طرف پرواز کرتی ہیں کہ دنیا دیکھتی رہ جاتی ہے۔ یوں اللہ کی مدد اور رحمت نازل ہوتی ہے کہ اس کا شکر ادا کرنے کے لیے سر تسلیم سجدے سے اٹھایا ہی نہیں جاتا، یہی بہترین نظم ہے۔ تنظیم سازی امیر کی اطاعت ہی کا نام ہے۔ باقی سب نظری فریب ہے یا دل کا بہلانا۔

افراد کو لڑی میں کیسے پرویا جائے؟

اور کہتے ہیں: نظم یہ ہے کہ افراد کو ایک لڑی میں پرویا جائے۔ آپس میں اس طرح مضبوط کر دیا جائے جیسے زنجیر کی کڑیاں ایک دوسرے میں پیوست ہوتی ہیں۔ ایک آواز دی جائے تو سب کھنچے چلے آئیں۔ کارکنان کا رابطہ آپس میں اس انداز کا ہو کہ اوپر سے دیئے جانے والا پیغام یا ہدایات فوراً سینکڑوں میل تک منتقل ہو جائیں۔ اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ جونئر اور سینئر کارکنان کی گروہ بندی کی جاتی ہے۔ جونیئر کارکنان کو سینئر کارکنان کا حکم ماننے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ یا پھر اس طرح کی درجہ بندی کر کے نام رکھ دیئے جاتے ہیں کہ پتہ چلے فلاں کارکن نیا ہے۔ فلاں پرانا ہے۔ فلاں نے فلاں منزل طے کر لی ہے۔ فلاں کارکن فلاں سٹیج پر ہے۔ پھر ہر ایک کے لیے الگ الگ معیار مقرر کئے جاتے ہیں تاکہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھی طرح چل سکیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے باوجود افراد لڑی میں پروئے نہیں جا پاتے۔ انتشار باقی رہتا ہے۔ ہم آہنگی ہو نہیں پاتی بس زبردستی والا معاملہ چل رہا ہوتا ہے۔ بامر مجبوری افراد ایک دوسرے کے ساتھ چل رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔ جس کے تحت باہم ملنا ملانا ضروری ہوتا ہے۔ ایک ہی دفتر، مرکز یا جگہ پر کام کرنے کیوجہ سے رسمی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ مصنوعی مسکراہٹوں سے گزرہ کیا جاتا

ہے۔بس ایک روٹین چل پڑتی ہے کہ جس کیساتھ افراد کی ایڈجسٹمنٹ ہوتی چلی جاتی ہے۔لیکن جیسے ہی مفادات کو دھچکا لگے۔کوئی امتحان آن پڑے۔کسی کے ساتھ اونچ نیچ ہو جائے۔کسی کوکسی کا حق نہ مل سکے تو یہ سب دانے بکھرے پڑے ہوتے ہیں۔تب احساس ہوتا ہے بظاہر ایک نظر آنے والے کتنے ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں۔تنظیمیں اور پارٹیاں ایسے ہی حادثات کا شکار ہوکر ختم ہونے لگتی ہیں۔ ایک عرصے سے عروج کی طرف بڑھنے والی جماعتیں یوں دھڑام سے گر جاتی ہیں کہ کوئی اس حادثے پر افسوس کرنے والا بھی باقی نہیں رہتا۔اس کی کیا وجہ ہے؟ سبب اس کا یہی ہے کہ ظاہری طور پر اکٹھے اور ایک ہی جماعت میں کام کرنے والے اور ایک ہی پروگرام مشن کو لے کر چلنے والوں کے دل آپس میں جڑے نہیں ہوتے۔ایک دوسرے سے قلبی لگاؤ نہیں ہوتا۔آپس میں دل جوڑنے کے لیے کتنے ہی مصنوعی طریقے اختیار کئے جائیں۔کتنا ہی پیسہ خرچ کیا جائے، کتنے ہی تکلف کے انداز اپنائے جائیں اور کتنا ہی زبردستی والا معاملہ کیا جائے تمام طریقے فیل ہیں۔مسئلے کا حل قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے:

﴿ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ط لَوْ اَنْفَقْتَ مَافِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○﴾ [الانفال : ٦٣]

”اور (اللہ نے) ان کے دلوں میں الفت ڈال دی۔اگر آپ ﷺ زمین میں موجود سب کچھ بھی خرچ کر دیتے تو پھر بھی تم ان کے دلوں میں الفت

نہیں ڈال سکتے تھے۔لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی بے
شک وہ غالب حکمت والا ہے۔''

یعنی مسلمانوں مومنوں کے درمیان محبت و الفت دنیاوی اور قیمتی مادی اشیاء کے خرچ کرنے سے نہیں ڈالی جا سکتی۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی ہوتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے دل آپس میں ملا دیتا ہے۔اور اخوت ومحبت کے جذبات پیدا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا کب کرتے ہیں؟ کیا جب کسی کو حقیر سمجھا جائے؟ اسے اپنے سے کم تر، کم فہم اور کم صلاحیت سمجھ کر اس کی توہین کی جائے؟ اپنے ساتھی کی عزت اچھال کر محظوظ ہونا، اس کا مذاق اڑانا، مجلس میں اس کے وقار کو ختم کرنا، اشاروں کنایوں میں اس کی بات کا وزن کم کرنا یا اہمیت گھٹانا، اپنی اہمیت، اپنی کارکردگی، اپنی صلاحیتوں کا اعتراف کروانے کے لیے دوسروں سے اپنی ذات کے بارے میں تعریفی کلمات سننے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنا،س اللہ کے لیے محبت کرنے کی بجائے، ساتھیوں کے عہدوں پر مسئولیتو ں سے محبت کرنا، جو جتنے بڑے عہدے یا مسئولیت پر ہے اس سے اتنی زیادہ محبت ثابت کرنا جو جتنے کم عہدے یا مسئولیت پر ہو یا بے چارہ عام کارکن ہو، اس سے اتنی ہی کم محبت کرنا، یا نہ کرنا۔نہیں میرے بھائیو! یہ وہ حرکتیں ہیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ شدید ناراض ہوتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی سے ناراض ہوں گے تو اس کی محبت دوسروں کے دلوں میں کیسے ڈالیں گے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں اعلان کرتے ہیں: میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ فرشتے زمین پر پھیل کر زمین والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے فلاں فلاں سے محبت کرتے ہیں تم بھی زمین والو! اس سے محبت کرو۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایمان والوں کی محبتیں ان کے ایمان کے مطابق آپس میں شدید ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جتنی ایمان کی کمی ہو محبتیں اتنی ہی کم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور ایمان اعمال صالحہ سے بنتا ہے۔ اور اعمال صالحہ وہ کام ہیں جنہیں کرنے کا اللہ و رسول نے حکم دیا ہو۔ جن کے متضاد سے منع فرما دیا ہو۔ ہم ایک غلطی یہ بھی کرتے ہیں کہ اپنے کچھ ساتھیوں سے بہت محبت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور کچھ کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے۔ جس سے ہمارے مزاج ملتے ہوں، جو ہماری رائے سے اتفاق کرتے ہوں، ہماری ہر بری اچھی عادت کو سراہتے ہوں، جگہ جگہ ہمارا ساتھ دیتے ہوں، جن سے ہماری انڈرسٹینڈنگ ہو، ہمارے علاقے یا برادری کے ہوں۔ ہماری عقل دانش کے معترف ہوں یا جن کے پاس بیٹھ کر ہم دل کی بھڑاس نکال سکتے ہوں اور وہ ہماری تمام قسم کی باتوں کو تحمل سے سن کر ہماری حمایت کر سکتے ہوں۔ یا ہم جتنے ہی دکھ درد رکھنے والے ہوں تو ایسے ساتھی ہمارے بھائی ہوتے ہیں۔ ہماری محبتیں اور مجلسیں ان کے ساتھ ہوتی ہیں اور جو ہمارے مزاج ہماری خاص سطح یا معیار کے ساتھی نہ ہوں اور مذکورہ بالا صفات کے حامل نہ ہوں تو ایسے کارکنان ہمارے بھائی تو کیا ساتھی بھی

نہیں بن پاتے۔ ایسی صورتحال میں بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ گروپنگ یا گروہ بندی یا ٹولیوں کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ پہلے پہل تو اتنا محسوس نہیں ہوتا لیکن حالات اور وقت کیساتھ ان میں مضبوطی آتی چلی جاتی ہے۔ اگر دو یا تین یا چار بھائی مل کر کسی بڑے کام کے کرنے کا بیڑہ اٹھائیں وہ بہترین ورکنگ ٹیم کیساتھ اللہ کے دین کا کوکوئی فرض نبھائیں، دین کی خدمت کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔لیکن جب غیراعلانیہ گروپ بنا کر کسی کوگرانا مقصود ہو۔اپنے مطالبات تسلیم کرائے جائیں۔ پریشر گروپ بنایا جائے۔خاص مفاد حاصل کیئے جائیں۔امیر یا مسئول کے احکامات یاہدایات کو غیر مؤثر بنایا جائے۔فیصلوں کے نفاذ یا تکمیل میں رکاوٹ ڈالی جائے۔اپنی حیثیت کومنوایا جائے۔گروپ کے ذریعے اپنی ذات کو مجبوری بنایا جائے۔خودساختہ حقوق کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے۔امیر یامسئول کے فیصلوں پرتنقید کے لیے زبان کے چٹخاروں،مباحث کی لذتوں،ہنسی مذاق کے چسکوں کے لیے ایسی مجالس برپا کی جائیں کہ جس میں بیٹھنے والے کام سے دور ہوتے چلے جائیں۔ دل اچاٹ ہوتا جائے۔ دین کے عظیم کام کی اہمیت کم ہوتی جائے۔ مایوسی پھیل جائے۔ دنیا سے محبت بڑھنے لگے۔آخرت کی باتوں اور کام کی لذت ختم ہونے لگےتو یہ گروپ یا گروہ یا ٹیم نہایت خطرناک ہے۔ یہ جماعت کو دیمک کی طرح چاٹ جائے گی کہ بظاہرتو منقش لکڑی ہےلیکن اندر سے کھوکھلی ہے۔ ذراسی سرسراہٹ سےٹکڑےٹکڑے ہوجائے گی۔

دوسری غلطی اللہ کو ناراض کرنے والی جس سے بھائیوں کے دل میں کدورتیں جنم لیتی ہیں، وہ ہے حسد کی بیماری۔ جماعتی زندگی میں آنے سے پہلے اس حدیث کی سمجھ نہیں آتی کہ فقط حسد سے تمام نیکیاں کس طرح برباد ہو جاتی ہیں۔لیکن اب احساس ہوا کہ واقعی جب ایک ساتھی دوسرے سے حسد کرنے لگے تو کس طرح ایک ایک کر کے تمام نیکیاں ضائع ہوتی چلی جاتی ہیں۔ وہ مجھ سے فلاں شعبے میں آگے کیوں نکل گیا؟ اب اس کی ٹانگیں کھینچنے کے لیے چغلیاں کرنا، تہمت لگا دینا، جھوٹی بات منسوب کر دینا، اس کی معمولی غلطی کا علم ہو جانے پر چھپانے یا پردہ ڈالنے کی بجائے خوب تشہیر کرنا، تبصرے کرنا تا کہ اس کی جگ ہنسائی ہو۔ بات بات پر چوٹ کرنا، ایسی بات کہنا کہ جس سے دوسرا بھائی ردعمل کا شکار ہو کر لڑائی جھگڑا شروع کر دے۔اس سے ملنے جلنے والوں کے ذہنوں میں تشکیک پیدا کرنا، بدگمانیاں ڈالنا باصلاحیت اور کام کرنے والے ساتھیوں کو آگے آنے کا موقع فراہم نہ کرنا۔ اس کے تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کرنا۔ ان تمام مقاصد کے لیے ہر وقت منصوبے سوچتے رہنا۔ بالآخر آدمی گرتا گرتا اتنا نیچے گر جاتا ہے کہ اسے احساس ہی نہیں رہتا کہ وہ کہاں کھڑا ہے؟ اس کی ذمہ داری کیا ہے؟ اور اسے کتنی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنا تھا اور اب اس کی باتوں اور کردار کا معیار کتنا سطحی اور سستا ہو گیا ہے۔ یوں اچھے بھلے دین دار داعی ومجاہد بھائیوں کو شیطان دور کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جب کبھی ایسی صورتحال ہو تو فوراً اللہ کی

طرف رجوع کرنا چاہئے۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ ، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم اور دیگر اذکار کے ذریعے شیطانی خیالات کو بھگانا چاہئے۔اور جس بھائی کے متعلق دل میں کسک پیدا ہو رہی ہو اس کی اور اپنی مغفرت کی دعا کرنی چاہئے اور ان خیالات کو جھٹک کر اللہ کے دین کے کاموں میں مصروف ہو جانا چاہئے۔ قرآن مجید نے ایسے موقعوں کے لیے دعا بھی سکھلائی ہے۔

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾ [الحشر : ١٠]

''اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ اور دشمنی نہ ڈال اے ہمارے رب بے شک تو شفقت مہربانی کرنے والا ہے۔

﴿ وَ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْکُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا وَ کُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ○﴾

[آل عمران : ١٠٣]

''اور اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے

تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور تمہیں بھائی بھائی بنا دیا اور تم آ گ کے گھڑے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے (قریب تھا کہ اس میں گر جاتے) پس تمہیں اس نے بچالیا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات کوواضح کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔''

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب تم اللہ کے دین سے دور جہالت کی زندگی گزار رہے تھے۔ گناہوں میں لتھڑے ہوئے تھے۔ برائیوں کے دل دادہ تھے۔ کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے تھے۔ شیطان کی پیروی میں تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے۔ اک دوسرے کے دشمن تھے دل نفرتوں کی آماجگاہ بن چکے تھے۔ برداشت کا مادہ مفقود تھا انتقام اور دشمنیاں پال رہے تھے۔ ان بدنما اعمال کیوجہ سے تم جہنم کے کناروں تک پہنچ چکے تھے اور قریب تھا کہ کسی بھی لمحے تم اس میں گر جاتے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ذلت وخواری تمہارے مقدر میں لکھ دی جاتی۔تم ہمیشہ کے لیے جہنم کی خوفناک اور دردناک آگ کا ایندھن بن جاتے۔ پھر یہ اللہ تعالیٰ کا بے پناہ کرم ہوا۔ اس نے اپنے عظیم فضل واحسان سے تمہیں ایمان کی دولت سے مالا مال کر دیا۔تمہارے اذہان وقلوب اسلام کی روشنی سے جگمگا اٹھے اور تم آپس میں ایک دوسرے کے شناسا بن گئے۔ اسلام کیوجہ سے بھائی بھائی بن گئے۔ دشمنیاں مٹ گئیں اور مودت والفت کی فضا قائم ہوگئی۔ اس نعمت کو یاد دلانے کا مقصد یہ ہے کہ اب جبکہ تم آپس میں جھگڑنے لگے اور ایک دوسرے پر

حملے کرنے لگے۔تمہاری آن ناراضگیوں کوجنم دینے لگی تو ذرا یاد کرو اپنے رب کی رحمت کو۔ وہ اگر تمہیں اسلام کی نعمت سے نہ نوازتا تو آج تم بھی دیگر لوگوں کی طرح اللہ کے دین سے دور جہالت کی حرام زندگی گزار رہے ہوتے۔ پس اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کا شکریہ یہ ہے کہ تم آپس میں محبتوں کی وہ اعلیٰ مثالیں قائم کرو کہ اللہ خوش ہو کر تمہیں مزید ہدایت سے نوازے، تمہیں مزید اپنے قریب کرلے اور جنتوں میں داخلہ دے دے۔ اور اگر تم اس نعمت کی ناشکری کرو گے یعنی آپس میں محبت نہیں رکھو گے اور لڑائی جھگڑے کرو گے تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر تمہیں اپنے دین سے دور کردے۔ جنتوں سے دور کردے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زائد قطع تعلق رکھے اور اگر ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال آسمانوں پر آنے سے روک دیتا ہے کہ جب تک وہ صلح نہ کرلیں باہمی یگانگت و الفت کا مظاہرہ نہ کریں، دلوں کو صاف نہ کرلیں، دلوں کو کدورتوں سے پاک نہ کرلیں، اس وقت تک ان کے اعمال اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتے۔ یہ وہ بیماری ہے کہ جو محاذ جنگ پر شکست کا سبب بن جاتی ہے۔ اگر چہ عددی قوت بہت زیادہ ہو، اسلحے کی فراوانی ہو اور حق پر لڑا جا رہا ہو۔

اس لئے فرمایا:

﴿ وَا َطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

وَاصۡبِرُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۞﴾ [الانفال : ٤٦]

''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جھگڑا نہ کرو۔ پس تم پھسل جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

یہ وہ کمزوری ہے جو دعوت کے میدان میں اللہ کی مدد کو دور کر دیتی ہے اور دعوت کی تاثیر کو زہر آلود کر دیتی ہے۔ اس لئے اللہ نے واضح تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَ يُحِبُّوۡنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴾

[المائدہ : ٥٤]

''اے ایمان والو! (یاد رکھو) تم میں سے جو کوئی اللہ کے دین سے پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے باوصف لوگوں کو لے آئے گا (جن میں تم جیسی خامیاں نہ ہوں گی) اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے (دوسری صفت یہ ہوگی کہ) مومنوں کے لیے بڑے نرم اور کافروں کے لیے بڑے سخت ہوں گے۔''

تو پھر ان بھائیوں اور بہنوں کا کیا خیال ہے جو دعوت و جہاد کے لیے رات دن خون پسینہ بہاتے ہیں۔ محنت کرتے ہیں اور اس اعلیٰ ترین عمل صالح کو سرانجام

دے کر اللہ کی جنتوں کے امیدوار ہیں۔لیکن اگر کل قیامت کے دن صرف اس وجہ سے جنت کے دروازوں سے واپس کر دیئے گئے کہ ہمارے آپس میں تعلقات خراب تھے۔ اللہ کو پسند نہ تھے تو پھر بتایئے ہم کہاں جائیں گے؟ ساری محنتیں کر کے بھی کچھ نہ پایا تو کیا فائدہ ہوا؟

بہنو/ بھائیو! اگر شہادتیں حاصل کرنی ہیں، اللہ کو راضی کرنا ہے اور میدان جہاد میں کافروں کو ناکوں چنے چبوانے ہیں تو پھر اپنے ساتھیوں کو راضی کر لیجئے۔ بھائیوں/ بہنوں کی طرف سے زیادتی ہو جائے تو برداشت کر لیجئے۔انہیں معاف کر دیجئے۔اگر وہ معافی نہ بھی مانگیں تب بھی اللہ کی رضا کے لیے خود بخود معاف کر دیجئے۔ بھائیوں کی دل آزار باتوں پر صبر کیجئے۔اس نیت کے ساتھ کہ بس چند دن باقی رہ گئے ہیں۔جلد ہی اللہ کے پاس پہنچ جانا ہےتو سارے دکھ درد بھول جائیں گے۔چھوٹا ہوتو اس کی تربیت کے لیے معاف کر دیجئے۔کوئی بڑا ہوتو اس کی عمر کا لحاظ کرلیں اور اگر ہم عمر ساتھی ہو تو معاف کر کے، صبر کر کے خود بڑا بن کر دکھا دیجئے۔ پھر دیکھئے عزتیں بھی ملیں گی اور شہادتیں بھی اللہ تعالیٰ نصیب کرے گا۔

﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ ﴾

[الشعراء : ۲۱۵]

”کہ جو مومن تمہارے متبع ہو گئے ہیں ان کے لیے اپنے بازو (محبت سے) پھیلا دیجئے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ))

''اور جو کوئی اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے گا تو اللہ اس کو اونچا کر دے گا۔''

اس محبت سے افراد لڑی میں پروئے جاتے ہیں۔ زنجیریں ایسے ہی بنتی ہیں۔ جماعت کی مضبوطی اسی کے ساتھ ہے۔

سنا ہے تیرے ساتھیوں نے تیری قدر نہیں کی

ہوتا یوں ہے کہ جب جماعت ترقی کرتی ہے، کامیابیوں کے زینے طے کرنے لگتی ہے۔ افرادی حجم میں بڑھنے لگتی ہے، وسائل میں اضافہ، شہرت میں بلندی، کام میں تیزی، تنظیمی پھیلاؤ اور تحریک عروج کی طرف جانے لگتی ہے تو پھر کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہونا شروع ہو جاتے ہیں جو ان تمام کامیابیوں سے ذاتی مفاد حاصل کرنے کے چکر میں ہوتے ہیں۔ کام کے پھیلاؤ کیوجہ سے ہر شعبے میں افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کا ایڈجسٹ ہونا بہت آسان ہوتا ہے۔ جلد ہی بڑی ذمہ داریوں کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ جماعت کے تنظیم کے کام کم کرنا اور اپنے ذاتی یا خاندانی کام زیادہ کرنا۔ ہر جگہ جماعت کا نام استعمال کرنا۔ اس کی شہرت سے فائدہ اٹھانا، اپنی ذمہ داری کو بہت ہی مشکل الفاظ میں پیش کرنا،

کارکنان سے دور رہنا اور بڑے بڑے افراد، قائدین یا ذمہ داران سے تعلقات بنانے کی کوشش کرنا، جماعت کے کارڈ بنا کر جیب میں رکھنا، ہر وقت اپنی کارکردگی کے گن گانا، اپنی رپورٹ بہت ہی خوبصورت انداز میں مبالغہ سے پیش کرنا، جہاں محنت طلب کام ہو وہاں سے رفو چکر ہو جانا اور جہاں کام کم اور اظہار زیادہ ہو سکے تو وہاں کوئی نہ بھی بلائے یا ذمہ داری نہ دے تو خواہ مخواہ وہاں گھسنے کی کوشش کرنا۔ تنظیمی کام ذمے لینے کی سعی کرنا، جب تک مطلب رہے تو دفاتر آنا، روز چکر لگانا، ملاقاتیں کرنا اور جب مفادات ختم ہو جائیں یا کم ہو جائیں یا قربانیاں دینے کا وقت آئے تو مہینوں نظر نہ آنا۔ خاص موسم میں نکلنا اور پھر غائب ہو جانا۔ ان میں سے کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے دیتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ مخلص ساتھیوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے قرآن وسنت کے خالص ماحول کی وجہ سے اپنے آپ کو تبدیل کر لیتے ہیں اور جماعت سے مخلص ہو جاتے ہیں۔ ان کا رنگ اور ڈھنگ ہی بدل جاتا ہے۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ جب وہ آئے تھے تو کیسے تھے۔ اور اب ان کی ایمانی، اسلامی اور تحریکی حالت کیسی ہے۔ ان کے اعمال بتا رہے ہوتے ہیں کہ اللہ نے انہیں بدل دیا ہے۔ قربانیاں دینے لگتے ہیں۔ کارکنان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور خالصتاً اللہ کی راہ میں کٹ مرنے کا عزم کرنے والے مجاہدین کی جھلک ان میں نظر آنے لگتی ہے۔ الحمد للہ کچھ کافی دیر بعد سنبھلتے ہیں۔ اور کچھ ایسے بھی کم نصیب ہوتے ہیں کہ اپنی بدنیتی کی بدولت اللہ

کے دشمنوں کے ہاتھوں استعمال ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورتحال میں ان کا انداز یہ ہوتا ہے کہ جماعت سے باصلاحیت اور قابل ساتھیوں کو نکال کر کوئی گروپ بنانے کی کوشش کریں گے۔ وہ گروپ جہاد یا جماعت کے خلاف نہیں ہوگا بلکہ وہ یہ کہیں گے کہ ہم تو جماعت کی بہتری کی خاطر ایسا کر رہے ہیں۔ کوئی اصلاحی ادارہ بنائیں گے یا فلاحی ٹرسٹ قائم کریں گے۔ اور بعض اچھے ساتھیوں کے ذہنوں میں بھی شیطان یہ بات ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور وہ سوچنے لگتے ہیں کہ ہم تو مرکز پر بوجھ ہیں۔ ہم روٹی مرکز سے کھاتے ہیں ہماری دیگر ضروریات بھی مرکز پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مجاہدین کے پاس وسائل تو پہلے ہی اتنے زیادہ نہیں ہوتے تو کیوں نہ میں کوئی نوکری کر لوں۔ کوئی کاروبار کر لوں میرا گزارہ بھی اچھا ہو جائے گا، مرکز پر بوجھ کم ہوگا بلکہ میں ہر ماہ مرکز کو کچھ فنڈ بھی ضرور دوں گا۔ ظاہری طور پر یہ سوچ کتنی مخلصانہ محسوس ہوتی ہے لیکن حقیقت میں اس سے بڑھ کر جماعت کو افرادی لحاظ سے نقصان پہنچانے والی کوئی شئے نہیں ہے۔ بہترین ساتھی اس غلط فکر کا شکار ہو کر غیر محسوس طریقے سے اس گندی دنیا کی گود میں جا بیٹھتے ہیں جہاں سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نکالا تھا اور اپنے دین کے لیے منتخب کیا تھا اور ایک عظیم مشن کی ادائیگی کا اعزاز بخشا تھا۔ یوں ایک ساتھی ضائع ہو جاتا ہے۔ بظاہر تو نماز پڑھتا ہے، داڑھی پوری ہے لیکن اب اس کی صلاحیتیں دین کے لیے نہیں بلکہ چند ٹکوں کو کمانے کے لیے صرف ہو رہی ہیں۔ یاد رکھئے اس

جماعت کو وسائل کی کم ضرورت ہے۔ سہولتوں کی کم ضرورت ہے لیکن سب سے زیادہ شدید ضرورت اللہ کے نیک اور مخلص بندوں کی ہے۔ داعی اور مجاہد ساتھی اگر موجود ہوں گے، پیٹوں پر پتھر باندھ کر بھی اللہ کے دین کو بچا لیں گے۔ اس کو قائم کر لیں گے، کفر کو مٹا دیں گے لیکن اگر متقی اور باوصف ساتھیوں سے ہی جماعت یتیم ہو جائے گی پھر سونے اور ہیروں کے ڈھیر بھی غلامی کی زنجیروں کو نہیں کاٹ سکتے۔ اصل اہمیت افراد کی ہے، نہ کہ وسائل کی۔ اس لئے ایسے ساتھی جماعت کو بظاہر چند ہزار کا فائدہ دینے کی بات کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت جماعت کو ایک انمول ساتھی جس کی قیمت کروڑوں اور اربوں میں بھی نہ لگائی جا سکے، سے محروم کر رہے ہوتے ہیں۔ کسی ساتھی کی شہادت میدان مقتل میں دشمن کی گولہ باری سے ہو جائے اس کے جسم کے ٹکڑے ہو جائیں تو اس کی رفاقت سے محرومی کے ساتھ ایک عظیم خوشی یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت الفردوس سے نوازے گا، یہ کامیاب ہے ان شاء اللہ۔ لیکن مذکورہ ساتھی جو کہ دنیا کے جھمیلوں میں پڑ گیا، اب بتائیے اس پر افسوس کے آنسو بہانے کے علاوہ کوئی خوشی دل میں محسوس کی جا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں! اس موقع پر کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا سبق آموز واقعہ یاد آ گیا کہ جب جہاد سے پیچھے رہ جانے کیوجہ سے رسول اللہ ﷺ نے سزا کے طور پر بول چال بند کر دی۔ اپنے ساتھیوں کو بھی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے یا کسی قسم کا تعاون کرنے سے روک دیا۔ اس نازک ترین مرحلے پر

شاہ غسان کا نمائندہ خط لے کر کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچتا ہے خط میں درج ہے:

''اے کعب سنا ہے تیرے ساتھیوں نے تیری قدر نہیں کی حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ تو بہت باصلاحیت ہے۔ ہمارے پاس چلا آ حکومت میں حصہ بھی دیں گے اور شاہ کیساتھ رشتہ داری بھی۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے وہ خط لیا اور جلتے ہوئے تنور میں پھینک دیا۔ رونے لگے کہ یا اللہ یہ وقت بھی آنا تھا؟ اللہ کے دشمن مجھے دوستی کے پیغام بھیجیں اور رسول اللہ ﷺ سے میری جدائی ہو؟''

انہوں نے تکلیف برداشت کرنا گوارہ کر لی ساتھیوں کی وقتی بے التفاتی سہہ لی لیکن دین پر استقامت سے ڈٹے رہے۔ جماعت سے چمٹے رہے، دنیاداری کی طرف نہ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے ان کی توبہ ایسے قبول کی کہ جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ گناہوں سے پاک تھے۔ ایسی عزت دی کہ لوگ رشک کرتے تھے۔ آج کسی سے کوئی ذمہ داری واپس لے لی جائے تو وہ منہ بسور کر بیٹھ جاتا ہے۔ کہ جماعت یا امیر نے میری صلاحیتوں کی قدر نہیں کی۔ مجھے وہ مقام اور مرتبہ نہیں دیا جو میرا حق تھا۔ میں نے اتنی قربانیاں دیں میں نے یوں کیا۔ میں نے یوں کیا، میں اتنا پرانا ساتھی میری خدمت کا اعتراف نہیں کیا گیا، میرا استحقاق مجروح ہو گیا، ڈھکے چھپے انداز میں علیحدہ ہونے کی دھمکیاں دینے لگے۔ اشارے

کنائے میں اعتراضات بھی وارد کر دیئے۔ کوئی اور لائن اختیار کرنے کا عندیہ بھی دے دیا۔ کچھ اور نہیں تو دنیاداری کی طرف سوچنا شروع کر دیا کہ میں تو جماعت میں اپنی صلاحیتیں ضائع کر رہا تھا اگر میں فلاں جگہ پر کام کر رہا ہوتا تو اب تک اتنی دنیا کما چکا ہوتا۔ ایسے موقعوں پر کتنے ہی اللہ کے دین کے دشمن بڑی بڑی پر کشش پیش کشیں لے کر حاضر ہو جاتے ہیں۔ اور ذہن خراب کر دیتے ہیں۔ دماغ ایسے شکوک وشبہات سے بھر دیتے ہیں کہ یقین ہی نہیں آتا کل تک وہ لوگوں کو درس دیا کرتا تھا تقریریں اور وعظ ونصیحت کیا کرتا تھا آج اس کے خیالات اور اعمال بالکل برعکس ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرح ہر حال میں جماعت سے وابستہ رہتے ہیں اور اللہ سے توبہ کرتے ہیں تو اللہ تھوڑی سی آزمائش کے بعد عزت ضرور عطا کرتا ہے۔ ورنہ آخرت میں تو ایسے لوگ ضرور اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں لیکن جو مفادات کے پیچھے پڑ جائیں اپنے حقوق کے لیے کام کریں اور جب ان کے پروٹوکول کا خیال نہ رکھا جائے ان کو وہ عزت نہ دی جائے جس کا وہ خود کو مستحق سمجھتے ہیں تو وہ شیطان کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو کر جلد اپنے اعمال برباد کر بیٹھتے ہیں اور حدیث کے مفہوم کے مطابق ایسا آدمی جس کی دنیا کے لحاظ سے وقعت یہ ہو کہ وہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے وہ کسی طرف پیغام بھیجے تو اس کا جواب نہ آئے لیکن وہ صالح آدمی ہے اس کا تعلق اللہ سے اتنا مضبوط ہے۔ وہ اتنا مخلص اور بے لوث ہے کہ اگر کسی بات پر

اللہ کی قسم اٹھا دے تو اللہ اس کی لاج رکھتے ہوئے اسے پورا فرما دیتے ہیں۔ ایسے آدمی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے خوشخبریاں ہیں، دعائیں ہیں۔

((تَعِسَ عَبۡدُ الدِّیۡنَارِ وَعَبۡدُ الدِّرۡھَمِ وَ عَبۡدُ الۡخَمِیۡصَةِ اِنۡ اُعۡطِیَ رَضِیَ وَ اِنۡ لَمۡ یُعۡطَ سَخِطَ)) [بخاری]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درہم و دینار اور چادر کا غلام برباد ہو گیا کہ اگر اسے عطا کیا جائے تو راضی رہتا ہے اگر کچھ نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔''

یعنی اس کی فرمائش پوری ہو جائے بات مان لی جائے تو بڑا راضی رہتا ہے۔ خوشی چہرے سے جھلکتی ہے کہ جو مانگا مل گیا، جیسی بات کہی پوری ہوگئی وَاِنۡ لَمۡ یُعۡطَ سَخِطَ اور اگر اسے کچھ نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائے، منہ بسورے، کام دل لگا کر نہ کرے، اس کی کارکردگی پہلے جیسی نہ رہے۔ غزوہ حنین و طائف سے واپسی پر مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ نے مال ان لوگوں میں تقسیم کر دیا کہ جو اس وقت نئے مسلمان ہوئے تھے۔ اللہ نے اس غزوہ میں مال بھی بے تحاشا دیا تھا کچھ انصاری جوانوں کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ جہاد ہم نے کیا۔ زخم ہم نے کھائے۔ مصائب و آلام ہم نے برداشت کر کے۔ عرب کی تپتی ہوئی صحرائی ریت پر جوتے نہ ہونے کے باوجود پیروں پر کپڑے باندھ باندھ کر سفر کی صعوبتوں کو سہتے رہے۔ شہادتیں ہمارے بھائیوں نے پیش کیں۔

تنگی ترشی کے عالم میں دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کیا اور اب مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کو مال دے دیا جنہوں نے کچھ قربانیاں نہیں دیں اور نہ جہاد و قتال کیا۔ رسول اللہ ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے تمام انصار کو ایک الگ مکان میں اکٹھا کیا اور کہا: میرے ساتھیو! تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہمارا تم پر یہ احسان ہے کہ ہم نے تمہیں پناہ دی۔ تم مکہ سے ہجرت کر کے آئے تو ہم لوگوں نے رہنے کی جگہ دی اور ہر قسم کا تعاون پیش کیا۔ اس کے بدلے میں، میں بھی تمہیں کہہ سکتا ہوں کہ تم سب جہالت کی زندگی بسر کر رہے تھے کفر و شرک میں لتھڑے ہوئے تھے، گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے، اللہ نے تمہیں میرے ذریعے سے ہدایت نصیب فرمائی اور تمہارے سینوں کو ایمان کے نور سے بھر دیا۔

اے میرے ساتھیو! اب بتاؤ کس بات کو پسند کرتے ہو؟ آج کی شام کچھ لوگ وہ ہوں گے کہ اپنے گھروں کو جائیں گے تو ان کے ساتھ اونٹ بکریاں اور دیگر مال غنیمت ہوگا اور جب تم اپنے گھروں کو پلٹو گے تو تمہارے ساتھ محمد ﷺ ہوں گے۔ انصاری صحابہ کرام نے جب یہ بات سنی تو رونے لگے، گریہ و زاری کرنے لگے۔ کہنے لگے: اللہ کے رسول ﷺ ہمیں معاف کر دیجئے! ہمیں کچھ نہ ملے ہمیں آپ کی رفاقت عزیز ہے، ہمیں اونٹ اور بکریاں نہیں چاہئیں۔ اسی طرح ایک بدری مجاہد کو مال غنیمت کا حصہ نبی ﷺ نے دیا تو کہنے لگا میں نے اس

لئے جہاد تو نہیں کیا کہ مجھے دنیا کا مال ملے بلکہ میں نے تو اس لئے جہاد کیا تھا کہ دشمن کا تیر میری گردن پر اس جگہ آ کر لگے اور میں شہید ہو کر اللہ کی جنت کا حقدار بن جاؤں۔ یہ کہہ کر اس نے مال چھوڑا اور پھر میدان جہاد کی طرف چل پڑا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اگر یہ اپنی بات میں سچا ہے تو اللہ ایسا ہی کرے گا۔ اللّٰہ اکبر! میدان جہاد میں تیر اس کی گردن پر اسی جگہ آ کر لگا کہ جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ اللہ نے اسے شہادت دے دی۔ کیونکہ وہ دنیا کا نہیں آخرت کا طلب گار تھا۔

اب بھائیو! اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ ہم نے لوگوں سے، جماعت سے، امیر سے، اپنی لاج رکھوانی ہے یا اللہ تعالیٰ سے؟ جماعت کو تنگ کر کے لوگوں کو ناراض کر کے اپنی جھوٹی عزت بنانی ہے یا خاموشی سے اللہ کے دین کی خدمت کر کے اپنے گناہوں کو معاف کروانا ہے؟ اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے؟ مطالبے پیش کر کے جماعت یا امیر کو مجبور کر کے کام کرنا ہے؟ یا پرخلوص قربانیاں دے کر اللہ کی جنتوں کو پانا ہے؟ اللہ کے دشمنوں کے ہاتھوں استعمال ہو کر اپنا مزاج بگاڑنا ہے یا پھر اپنے مزاج اور طبیعت کو دین میں ڈھال کر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو حاصل کرنا ہے؟ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جو نقصان کرے گا اپنے اعمال کا کرے گا۔ اور جو فائدہ کرے گا اپنے اعمال کا کرے گا۔ جو فائدہ کرے گا خود کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے کرے گا۔ اللہ تو بے پرواہ ہے، بے نیاز ہے۔ اس نے اپنے دین کے لیے جماعت کو کھڑا رکھنا ہے۔ جو نہیں آئیں گے ان کی جگہ ان سے

بہتر لے آئے گا۔ یہ اللہ کا قانون ہے۔ جو توبہ تائب ہو جائیں گے۔ اللہ ان کے لئے رحمتوں کے دروازے کھول دے گا۔ ان شاء اللہ

کیا ہم واقعی ایسے ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے

محترم! اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاد کا عمل سب سے بڑا عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((زِرْوَةُ سَنَامِ الْإِسْلَامِ الْجِهَادُ))

''اسلام کی کوہان، اسلام کی چوٹی اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔''

لیکن ان چوٹیوں پر اس عمل کے لیے انتخاب کے لحاظ سے وہ کون سے لوگ ہیں وہ کون سی خوبیاں ہیں جو انسان کو اس کلائمیکس پر اس بہت اونچی جگہ پر چڑھنے میں کامیابی کی منزلیں طے کرتے ہوئے اس حد تک لے آتی ہیں؟ جہاد کا معاملہ بڑا احساس ہے۔ اُحد اور حُنین میں ہم نے دیکھا کہ کچھ لوگوں سے امیر کی نافرمانی ہوئی۔ صرف دل میں اتنی سی بات آئی کہ کل ہم تھوڑے تھے آج ہم بہت زیادہ ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ درمیان میں موجود ہیں اس کے باوجود میدان اور میدان کے نتائج بھی تبدیل ہوئے۔ مشکلات اور بہت زیادہ مشکلات درپیش ہوئیں۔ جہاد میں چلتے ہوئے دونوں چیزیں ہیں۔ کون کون سے ہم عمل کر لیں کہ اللہ کے قریب ہو جائیں اور ہم کن کن سوچوں سے بچ جائیں کہ جس سے اللہ کا قرب متاثر

ہو؟ آج دنیا کا کفر اور اس کی قوتیں، اس کی سازشیں اتنی گہری ہیں کہ اگر افراد کے لحاظ سے، قوتوں کے اعتبار سے، کوئی اس سے بیلنس کرنا چاہے تو بھائیو! افراد بھی، قوتیں بھی، ٹیکنالوجی بھی، ہر لحاظ سے ہم لوگ پیچھے نظر آتے ہیں۔ بالخصوص وہ لوگ جو میدانوں میں کھڑے ہوئے ہیں۔ نہ حکومتوں کی قوتیں ہیں۔ نہ وسائل ہیں، نہ کوئی خاص ٹیکنالوجی ہے لیکن ان کے مدّ مقابل ظاہری، مادی بڑی بڑی قوتیں نظر آتی ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ آگے بڑھتے رہیں، منزلیں ہمارے قریب ہوتی رہیں تو صرف ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ ہمارا اس قوت سے تعلق اتنا گہرا ہو کہ جس سے بڑی کوئی قوت نہیں ہے۔ جس کا توڑ کسی کے پاس نہیں۔ ہم ہر اس عمل سے بچتے رہیں کہ جس سے اللہ کا تعلق اور اس کی دوستی متاثر ہوتی ہو اور قرآن نے اس بات کو مجاہدین کی فکری تربیت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِىَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ﴾ [الانفال: ١٧]

"قتل تم نہیں کر رہے تھے۔ قتل تو اللہ کر رہا تھا اور تم دور پھینکنے والی چیزیں یا تیر نہیں چلاتے بلکہ وہ تو اللہ چلاتا ہے۔"

بھائیو! سارا کام اللہ کرتا ہے۔ میدانوں میں ساری فتوحات اللہ دیتا ہے۔ کتنی بڑی بڑی قوتوں کو اللہ تہس نہس کرتا ہے لیکن ہم دیکھیں کہ اس اللہ سے ہماری کتنی پکی دوستی ہے۔ ہمارا کتنا گہرا تعلق ہے؟ ہم اپنے ذہن کو دیکھیں بھائیو! اپنے

اعمال کو دیکھیں۔ اپنی عبادات کو دیکھیں۔ اپنے کردار کو دیکھیں۔ اپنے گھروں کے معاملات کو دیکھیں۔ اپنے معاملات کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھیں۔ کیا واقعی ہم وہی بندے ہیں کہ جن پر اللہ یہ انداز اختیار کرے:

﴿ إِنَّ مِنْ عِبَادِ لِلّٰهِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ ﴾

[صحیح البخاری ، کتاب الصلح : ٣٥٠٤]

''اللہ کے بندوں میں سے وہ بھی ہیں کہ اگر قسم کھائیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دے۔''

کیا ہمارا وہی حال ہے کہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں کریں اور ہمیں یقین ہو کہ میں اپنے رب سے، ایک ایسے دوست سے مانگنے جا رہا ہوں کہ وہ میری بات کو ان شاء اللہ نہیں موڑیں گے۔ بھائیو! ہم کتنے کمزور ہیں۔ واللّٰہ! ہم اپنی زندگیوں پر نظر دوڑا کر دیکھیں کہ ہم کیا ہیں؟ وہ لوگ جو تھے صحابہ کرام، انہوں نے کتنی تکلیفیں برداشت کیں؟ کتنی ماریں کھائیں؟ کہا کچھ نہیں۔ لیکن ہم دیکھیں بھائیو! کہ ہم نے وہ قربانیاں نہیں دیں۔ وہ عزیمتیں اختیار نہیں کیں۔ لوگ تو پہلے ہی ہمیں کہتے ہیں کہ مجاہد آئے ہیں۔ لوگ استقبال کرتے ہیں۔ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جب ہم دعوت لے کر جاتے ہیں، لوگ نظریں بچھا دیتے ہیں۔ لوگ شاباش دیتے ہیں۔ حوصلہ بڑھاتے ہیں۔ بھائیو! وہ قربانیاں، وہ عزیمتیں، وہ پتھر کھانے والی باتیں، وَاللّٰہ! وہ تو ابھی بہت دور کا مرحلہ ہے۔ ہم اپنے آپ پر نظر

دوڑائیں۔ اتنی آسائشیں، اتنی آسانیاں، اتنی تعریف وتوصیف کا ماحول ہونے کے باوجود پھر بھی ہمارے اندر کیا خوبیاں ہیں؟ ہم نے ابھی تک کیا کیا ہے؟ یقین کریں کہ جب ہماری ساری زندگی جو جہاد میں گزری، اس پر نظر دوڑائیں تو صحیح بات ہے کہ ہمیں معاملہ اس انداز کا نظر آتا ہے، جہاد کرنے والے تو بہت عظیم لوگ ہوتے ہیں اور اللہ جہاد کرنے کے لیے انہی لوگوں کو منتخب کرتا ہے جو ساری دنیا سے اعلیٰ ترین ہوں۔ یہ نہ ہو کہ ہم جہاد میں آجائیں اور جہاد میں آنے کے بعد ہمارے گھر اور گھروں کا ماحول، ہماری رشتہ داریاں اور برادریاں دنیا کی ساری جکڑ بندیاں تو اسی انداز سے چلتی رہیں، مجاہدین کی زندگیوں میں، ان کے ذہنوں میں، ان کی سوچوں میں، ان کے عملوں میں، ان کے لباس میں اور ان کی ایک ایک چیز میں اللہ کی قسم! واضح فرق نظر آتا ہے۔ ایک وہ اللہ کا بندہ ہے جو جہاد میں کھڑا ہے۔ قربانیاں دے کر، عزیمتیں سہہ کر، ساری دنیا کو چھوڑ کر، ہجرتیں کر کے، شہادتوں کی راہ پر چلا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ کل کو میرے چند بھائی شہید ہوئے تھے، آج میں بھی ان کی راہ میں ان کے خون کا قرض چکانے چلا ہوں۔ ہم دیکھیں کہ ہماری حالت کیا ہے؟ اتنے روز گزر گئے، کبھی یہ کیفیت ہوا کرتی تھی کہ ہم اپنے شہید بھائیوں کو یاد کیا کرتے تھے۔ جب کبھی کوئی شہادت کی خبر آیا کرتی تھی تو چند منٹ یا گھنٹے نہیں بلکہ کئی کئی دن اس کی یاد شدت کے ساتھ ستاتی تھی۔ کچھ افسوس کا عالم رہتا تھا۔ کچھ افسوس ہی نہیں بلکہ ایک عزم دل میں

ہوتا تھا کہ بدلہ چکانا ہے۔ میں بھی اسی راہ پر ہوں مجھے بھی ان شاء اللہ بدلہ چکانا ہے، ہر شہادت پر ایک نیا عزم بیدار ہوتا تھا۔ ایک نیا جذبہ زندہ ہوتا تھا۔ لیکن اب ہم سوچیں، اپنے آپ کو دیکھیں، واللہ! اپنے گراف کا اندازہ کریں کہ اس وقت کیا کیفیت ہے؟ بہت اچھا ہوتا ہے وہ انسان جو اپنا جائزہ خود لیتا ہے۔ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ آج سے ایک دو سال پہلے جب میں جہاد میں نیا نیا آیا تھا تو اس وقت میرا لیول کیا تھا؟ میری عبادات، میری نمازیں، نمازوں کا خشوع و خضوع، میرے سجدے، میرا رکوع، میرے پچھلی رات کو رب کے حضور آنسو، میری دعائیں، ان سب کی کیا کیفیات تھیں اور اب ان کی کیا کیفیت ہے؟ میرے اندر جہاد کی تمنا اور شہادت کے لیے تڑپ کتنی تھی؟ میں کس طرح مارا مارا پھرتا تھا؟ اپنے امیر کے پیچھے پیچھے رہتا تھا کہ مجھے اجازت چاہئے۔ گھروں میں دل نہیں لگتا تھا۔ رشتہ داروں کی محبتیں کبھی دل میں بھی نہیں آتی تھیں۔ دنیا اچھی نہیں لگتی تھی۔ یہ ساری چیزیں کبھی تصور میں بھی نہیں آتی تھیں۔ بس آخرت، جنت، جہاد، شہادت کے تذکرے، یہی چیزیں تھیں۔ لیکن آج ایک سال بعد ہی میں اپنے آپ پر نظر دوڑا کر دیکھوں کہ اب میری نمازوں کا کیا سلسلہ ہے؟ میری عبادات، میرے رکوع، سجدے، میری دعائیں، میرا پچھلی راتوں کو کھڑا ہونا، اللہ کے سامنے رونا، دھونا اور دعائیں کرنا، میری سنتیں، نوافل، میرا بہت زیادہ تلاوت کرنا، بلکہ قرآن کی تلاوت میری عادت ہو جانا، ہر وقت قرآن کا جیب میں ہونا، جہاں وقت ملے

قرآن پڑھنا۔ بھائیو! اب میری کیا کیفیت ہے؟ اگر کچھ معاملہ بہتری کی طرف ہے تو اس معاملے میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾

یعنی شکر کا طریقہ بھی یہی ہے کہ مزید آگے بڑھیں۔ اگر ہم شکر کریں گے اور زیادہ اللہ کے قریب ہونگے تو میرے بھائیو! اللہ ہمیں اور زیادہ دے گا۔ اور دروازے کھولے گا۔ اللہ خیر کے اور نیکیوں کے دروازے کھولے گا۔ لیکن بھائیو! اپنا جائزہ لے کر اگر ہم دیکھیں کہ کہیں معاملہ اس کے الٹ تو نہیں ہے۔ میری نمازیں وہ نمازیں نہیں رہیں۔ میرے دل کی حالت وہ حالت نہیں رہی۔ کون کون سی خبر ملتی تھی کہ جب میری آنسوؤں کی لڑی لگ جاتی تھی۔ جب میرا دل رو پڑتا تھا۔ ادھر نماز میں تلاوت شروع ہوتی تھی، ادھر میری آنکھوں میں آنسو بہنا شروع ہوجاتے تھے اب کیا حالت ہے؟

اب تو اذانیں ہورہی ہیں۔ نمازیں ہورہی ہیں۔ تکبیریں اولیٰ فوت ہوگئی۔ کیا کچھ نہیں ہوگیا۔ لیکن میں اپنی باتوں میں، اپنی محفلوں میں، اپنے مرکز کی مجلسوں میں، وہیں بیٹھا رہا۔ کسی کو فکر نہیں۔ نہ کوئی یاد کرنے والا، نہ کوئی یاد کروانے والا کہ تیری تکبیر اولیٰ بھی رہ گئی؟ اب تیری رکعتیں بھی رہ گئیں۔ اب تیری نماز بھی رہ گئی، تلاوت کتنے ہی روز گزر گئے، کبھی قرآن کو پڑھا، کبھی نہیں، جیسے کبھی خلوت میں جاکر، تنہائی میں جاکر، اپنے رب سے باتیں کیا کرتا تھا کہ اس

قرآن سے مجھے کچھ لینا ہے۔ لیکن اب تو بڑے بہانے ہیں، مصروفیات ہیں، مجبوریاں ہیں، بہت کچھ ہے۔ لیکن بھائیو! کیا مصروفیت ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی مصروفیات سے بڑی کوئی مصروفیت تو نہیں آن پڑی؟ ساری دنیا کا بوجھ اللہ کے نبی کے کندھوں پر تھا لیکن ہم دیکھیں کہ آپ کی عبادات، آپ کا قیام، ساری ساری رات آپ کی دعائیں، یہ کتنی زیادہ تھیں؟ کیا ہمیں اس سے بھی زیادہ فکر ہے؟ اس سے بھی زیادہ بوجھ آن پڑے ہیں؟

اب وہ کیفیت نہیں، شہیدوں کی وصیت، ان کے تذکرے، پہلے ہوتا تھا کہ بھائی جو شہید ہوتے تھے ان کے وصیت اپنی جیب میں رکھتے تھے۔ جب کسی معاملے میں گراف نیچے گرتا نظر آتا تو شہید بھائی کی وصیت جیب سے نکالتے اور اسے پڑھ کر ایمان کو تازہ کر لیتے تھے۔ اس سارے انداز کو تو ہم بالکل بھول چکے ہیں۔

کتنی غفلتیں، کتنی سستیاں، مسئولیتوں کو اٹھانے میں، رابطہ کرنے میں، بھائیوں کی تربیت کرنے میں، اس منہج کو عام کرنے میں، ایک ایک گھر تک پہنچانے میں، آپ سے بہت تساہل ہوا۔ میرے بھائیو! واللّٰہ! یہ سستی بہت بڑا جرم ہے۔ اللہ نے ایک خالص دعوت دی۔ اتنا عظیم منہج دیا، جہاد جیسا عظیم عمل دیا، اتنا کچھ کہ مجاہدین لشکرِ طیبہ اور اس قافلے کا ساتھ دیا، اس کے باوجود سستیاں ویسے ہی رہیں۔ دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی دکانوں پر بیٹھتا ہوں۔ میرے دل میں بھی دکانیں بستی ہیں۔ وہ بھی دکان مکان کے چکر میں رہنا چاہتا ہے۔ ہم

بھی دکان اور مکان کے چکر میں رہتے ہیں۔ وہ بھی دنیا اور دنیا کے چکر چاہتا ہے۔ہم بھی دنیا میں رہنا چاہتے ہیں۔ یہ ساری مجبوریاں ہماری بھی بن جائیں؟ بہانہ کوئی بھی ہو،تسلی کوئی بھی ہو، یقین کریں ہمارے اور ان کے درمیان بہت فرق ہے۔ پھر نتائج میں بہت زیادہ فرق آئے گا۔ زنگ اسی طرح لگتا رہے گا بالآخر ہم بھی اس لیول پر چلے آئیں گے۔ بھائیو! ہم لوگ اللہ کے فضل سے جہاد کرنے والے ہیں۔ ہمارا پہلا دستہ شہید۔ اس کے بعد ان شاء اللہ ہم کھڑے ہیں۔ ہماری گردنیں اور ہمارا خون...... اس لئے بھائیو! یہ باتیں کہنے کو تو بڑی آسان ہیں کہ ہم شہیدوں کے وارث ہیں۔ہم خون دینے والے ہیں۔ہم جان دینے والے ہیں۔ لشکر طیبہ فدائیوں کا قافلہ ہے۔اپنی جانیں قربان کرنے والے لوگوں کا قافلہ ہے۔موت کو موت کی جگہوں پر تلاش کرنے والوں کا قافلہ ہے۔ موت اور شہادت سے پیار کرنے والے زندگی سے پیار نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا ہماری نہیں۔ہم تو اس دنیا میں جتنا عرصہ زندہ ہیں اس کو بدلنے آئے ہیں۔ہم تو اس دنیا کو تبدیل کرنے، دعوت و جہاد کے عمل کو تیز کرنے، جب تک امیر یہاں رکھے، اس کے بعد شہادتوں کے سفر پر روانہ ہونے کے لیے آئے ہیں۔ان کا دل ادھر لگتا ہے۔کہیں ایسا تو نہیں بھائیو! کہ ہمارا دل دنیا میں لگ گیا ہو۔ ہمیں بھی ڈرائنگ روم، ڈائننگ ہال، بیڈ روم کے بغیر نیند نہ آتی ہو؟ یہ سارے تکلفات اور یہ ساری چیزیں ہمیں بھی بھاتی ہوں؟ بھائیو! جہاد کرنے

والے لوگ یقین کریں بڑے عجیب ہوتے ہیں۔وَاللّٰہ! وہی حدیث
((بَدَأَالْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَ سَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ))
ان کو لوگ خبطی سمجھیں۔ان پر اشارے کریں کہ دیکھو یہ وہ جارہے ہیں۔ بال ان کے بکھرے، پاؤں ان کے غبار آلود، کپڑے ان کے وہ نہیں۔گھر ان کے وہ نہیں کہ جنہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ آخر کوئی تو معیار زندگی ہونا چاہیئے۔آخر دنیا میں جینا، دنیا میں رہنا ہے۔دنیا والوں میں جب تک رہنا ہے، دنیا والوں کو تبدیل کرنے کی کوشش کرنی ہے۔حتیٰ کہ یہ سارے لوگ اس قابل ہوں کہ اس جہاد پر کھڑے ہوسکیں اور ان کو عزیمتوں اور قربانیوں کی راہوں کا تعارف کروانا ہے۔ اپنی نظر، اپنی نگاہ، اپنا ہدف وہی رہے کہ نہیں...... میں تو قربانیاں دینے والا ہوں۔میں تو آگے بڑھنے والا ہوں۔کوئی چیز میرے قدموں کو نہیں روک سکتی۔ کوئی چیز بھی دنیا کی مجھے متاثر نہیں کرسکے گی۔دنیا کی رنگینی اور یہاں کی چاشنی اور روشنی میری نظروں کو خیرہ نہیں کرسکتی کہ میں یہاں رہ کر ٹوٹ جاؤں؟ نہیں بھائیو! ہم لوگ صرف روٹی کے تعاقب میں نہیں جیتے۔ہم لوگ دنیا کے سٹیٹس کی بلندیوں کے خواب نہیں دیکھتے۔ہاں ہم تو جنتوں کے متلاشی ہیں۔اللہ تعالیٰ کو اپنا جان مال بیچ چکے۔اس لیے کہ وہ رب ہمیں جنت دے گا۔اب اس جان پر اپنا کوئی حق نہیں۔اب اس جان کے بارے میں کوئی فیصلہ میرا نہیں۔کہیں کوئی اپنی مجبوریوں کو دیکھ کر جو اپنی خود ساختہ مجبوریاں ہیں، اپنی زندگی کا اپنا معیار لئے کھڑے ہیں۔

اس معیار کو ہم ماڈل کی صورت میں سامنے رکھتے ہیں۔ اور اس ماڈل لائف کو ڈھونڈنا ہم اپنی مجبوری کہتے ہیں۔ جیسے دنیا والوں سے غلطی ہوئی، ہم سے بھی بہت غلطی ہوئی۔ کسی کا معیار اس کی ماڈل لائف بہت بلند تھی۔ اس کا وزن اور اس نے اپنی صلاحیتوں کو بہت زیادہ assess کیا تھا لہٰذا اس نے اپنی ماڈل لائف والی جگہوں پر اپنی زندگی اتنی زیادہ ڈیزائن کی کہ اب کروڑوں کے گھر میں رہنا اس کی مجبوری ہے۔ اس کے علاوہ کتنی ہی اس کی مجبوریاں بن گئیں۔ گاڑیاں اس کی مجبوریاں بن گئیں اور بہت زیادہ اس دنیا کیساتھ چلنا اس کے ساتھ رہنا، اس کی مجبوری بن گئی۔ ہم نے بھی اپنی بساط دیکھی اتنا علم ہے۔ اتنی صلاحیت ہے۔ چلو اتنا فیملی بیک گراؤنڈ ہے۔ آخر میری ماڈل لائف اتنی تو ہونی چاہئے؟ اتنا فرنیچر ہو۔ اتنا اس میں سامان ہو۔ اتنا اس میں بزنس ہو۔ اتنی میری کلاس ہو۔ چلو آخر یہ بھی تو میری مجبوری ہے نا۔ یہ ماڈل لائف جو ہم میں سے ہر شخص نے ڈیزائن کر رکھی ہے۔ اللہ کی قسم یہ ہماری مجبوری بنی ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ تو مجبوری نہیں ہے کیونکہ ہم یہاں رہنے کے لیے نہیں آئے۔ ہم تو یہاں سے جانے کے لیے آئے ہیں۔ ہاں جب تک اللہ یہاں رکھے گا تو رہیں گے۔ کیسے؟ جیسے رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ رہتے تھے سارے تکلفات سے آزاد لوگ ان کی زبانیں ان کے الفاظ، ان کی باتیں، غیبتوں سے پاک، طعن و تشنیع سے پاک، ان کی گفتگو کسی کی دل آزاری سے پاک، کسی کی پگڑی اچھالنے سے پاک، زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں

مصروف، ان کے ذہن، ان کی ذہنی اپروچ، ان کے ذہنوں کا لیول، ان کی سوچوں کی سطح بہت بلند تھی۔ وہ صرف روٹی کپڑا اور مکان کی فکر نہیں رکھیں تھے ان کی سوچ بہت اعلیٰ تھی۔ اس دنیا کے کافروں کو مغلوب اور اسلام کو غالب کرنے والی۔ اگر ہم اپنے گھروں کو دیکھیں، اگر ہم تھوڑے بہت ذمہ دار ہیں کہ کیا ہم واقعی ایسے لوگ ہیں جن سے اللہ محبت کرتے ہیں۔ اللہ جس کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ میں...... اولاد اور اس کی تربیت دیکھوں۔ اپنی صبحیں دیکھوں۔ اپنی شامیں دیکھوں۔ دنیا والوں کو تو میں بڑے دھوکے دے سکتا ہوں۔ بڑی باتیں کہہ سکتا ہوں...... اگر بندہ خود غور کرے کہ میں ہوں کیا؟ جہاد کرتا ہوں اور میرا عمل، میرا کردار، میرا ذہن اور میری مجبوریوں کے سلسلے، میری جکڑ بندیاں اور وہ چیزیں جو میرے راستے کی دیوار بنتی ہیں وہ کون کون سی ہیں۔ اتنا کمزور ہوں میں جہاد کرنے والا اور جہاد کا نام لینے والا؟

جو ایمان والے ہوتے ہیں انہوں نے دلوں میں بہت سے بت نہیں بسائے ہوتے۔ کہیں خاندانوں کا بت ہے۔ کہیں کوئی برادریوں کا بت موجود ہے۔ کہیں اولادوں کی محبتیں، کہیں بیویوں کی محبتیں کہیں عارضی مفادات کے چکر۔ اس سینے میں تو ایک ہی دل دھڑکتا ہے جو کہ سارے کا سارا اُس خالق کائنات کی رضا کے لیے دھڑکنا چاہئے۔ جہاد والے لوگ ہجرتوں والے ہوتے ہیں۔ یہ کل کی شہادتوں والے ہوتے ہیں۔ انہوں نے باقی لوگوں کے لیے دعوت بننا ہوتا ہے۔

اگر یہ رخصتیں ڈھونڈنا شروع کر دیں تو ان کو دیکھنے والے لوگ کیا کریں گے؟ کیسے اٹھیں گے وہ لوگ جن کے لیے انہوں نے نمونہ بننا ہے۔ بھائیو! یاد رکھو اگر ہم جہاد کرنا چاہتے ہیں تو یاد رکھیے کہ جہاد سے پہلے ہجرت کا مرحلہ ہوتا ہے۔ ہم سارے لوگ دیکھیں کہ ہم جہاد کے لیے کس حد تک مخلص ہیں۔ اپنی مصروفیات کو دیکھیں۔ اپنے مفادات اور دنیا کو دیکھیں کہ ہم سارے لوگ جہاد اور ہجرتوں کے لیے تیار ہیں؟ کہیں کوئی چیز میرے پاؤں کی بیڑی تو نہیں؟ کہیں کوئی محبت میرے راستے کی دیوار تو نہیں بنی ہوئی؟ ہم جائزہ لیں کہ کیا ہم واقعی ہجرتیں کرنے والے ہیں؟ کہیں کوئی دکان مجھے روک تو نہیں لے گی؟ میرا عہدہ، میری ڈگری، میرا سٹیٹس، مجھے روک تو نہیں لے گا؟ کوئی یہاں کی محبت، کوئی چیز جہاد کے راستے کی دیوار تو نہیں بن جائے گی؟ کہیں میں نے اتنی انوسٹمنٹ، اتنی محنت تو نہیں کر لی کہ کل کو یہ مجھے جہاد کے راستے سے روک دے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اکیلے کا گناہ پورے لشکر کو لے ڈوبے۔ ایک آدمی سارے سارے قافلوں، لشکروں کی منزلوں کو دور کر دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو، اللہ نہ کرے کہ میں اپنے قافلے میں ایسا انسان بن جاؤں کہ جس کا گناہ پورے لشکر کو روک لے۔

بھائیو! ہم نے ایسے عمل کرنے ہیں جن سے اس لشکر کو بھی کوئی تکلیف نہ ہو بلکہ سکون اور ترقی کا باعث بنے۔ ہم تو اپنے رب سے مناجات اور دعائیں کریں گے اچھی اچھی اور ہم کبھی وہ کام نہیں کریں گے جس سے اللہ ناراض ہو جائے اور

اگر کوئی غلطی ہو گئی تو فوراً توبہ کریں گے اور عہد کریں گے کہ اے اللہ میں بھول گیا تھا۔ اب کی بار نہیں بھولوں گا۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ! ہمیں سچا پکا اور مخلص دین کا داعی بنا دے تاکہ قربانیاں ہمارے لئے مشکل نہ رہیں۔